10
216650

ایک جامع مانع تقریر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ میں جو ابناء ملک کی
ضروریات اور فوائد دینیہ کے اعتبار سے حاوی ہے

معنون بہ

الاسلام

جسکو آمادہ کیا ہے جس قدر

جسکو

جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول جناب **مولانا شبیر احمد صاحب**
عثمانی دیوبندی صدر مہتمم دار العلوم دیوبند نے مؤتمر الانصار دیوبند کے اول
اجلاس واقع مرادآباد میں ہزارہا علماء اور جدید تعلیمیافتوں اور
شائقین کے روبرو سُنا کر مجمع کو محو حیرت اور
کأنّ علی رؤسہم الطیر بنا دیا تھا

جسکو

احقر (مولوی) سید احمد مدیر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند نے خاص اہتمام سے

کتبخانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع کیا

ہر قسم کی عمدہ اور سستی کتب اس پتہ سے طلب فرمائیں (مولوی) سید احمد مدیر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند

LIBSYS

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام

یہ مبارک عنوان جس کی بقدر مناسب تفصیل لکھنے پر آج میری خوش قسمتی اور سعادت نے ھکو آمادہ کیا ہے جس قدر اپنے تلفظ کی حیثیت سے چھوٹا، مختصر اور مفرد دکھائی دیتا ہے اُسی قدر معنوی وسعت کے اعتبار سے تفصیل طلب اور دقت خیز ہے۔ اسلام کی تاریخ اُس کی صداقت اُس کے فوائد اُسکے برکات اور اُسکی ترقی و تنزل کی داستان بجد پُر نتائج اور چسپ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس قلیل وقت میں پوری نہیں ہو سکتی جو اس تحریر کے ھنے میں میں اپنے پاس سے صرف کر سکتا ہوں لیکن محض یہ نیت کر کے کہ ایسے مقدس اس کے سلسلہ میں مضامین کا اس طرح کے اہم اور ضروری عنوان سے خالی رہنا بھی ید بہتر علامت نہ ہو۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائیگی کا اقرار دینے کے بعد بکمال اختصار اسلامی اصول کو جس طرح پر کہ میں سمجھا ہوا ہوں۔ قوم اور احباب کے روبرو پیش کر دوں تاکہ ہمارا یہ مجمع اسلام کے بابرکت تذکرہ ثواب سے محروم نہ رہے اور مولانا عبید اللہ صاحب کے حکم کی جنھوں نے

میرے دل میں اس مضمون کی تحریک پیدا کی، تعمیل نہ کرنیکا بھی مجھکو گنہگار ہونا پڑے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ مجھ سے پہلے سینکڑوں مصنفین نے اسی مضمون پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ہزاروں فضلا اسی عنوان پر خامہ فرسائی کر چکے ہیں اور لاکھوں پیرایوں میں انھیں مسائل کا اعادہ ہو چکا ہے اور بے شمار آدمی اس موضوع پر اپنی جادو بیانی کا ثبوت دے چکے ہیں اور ایسی حالت میں ہماری اس ناچیز تحریر کی کوئی وقعت قایم ہونا نہایت مشکل ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ ہمکو اپنے مضمون کی وقعت قائم کرنیکی خلش ہرگز دامنگیر نہیں ہے اور نہ ہمارے دل میں یہ تمنا ہے کہ ہمارے ہر ہر جملہ پر واہ واہ کے نعرے بلند کیے جاویں یا احسنت اور مرحبا کی صداؤں سے آسمان سر پر اُٹھایا جاوے یا بات بات پر سبحان اللہ اور الحمد للہ کا ورد پڑھا جاوے۔

ہماری صرف ایک ہی آرزو ہے اور اسی میں کامیاب ہونیکو ہم اپنی محنت کا اصلی صلہ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جو دلی خیالات ہم نہایت صفائی کے ساتھ عام پبلک میں پیش کریں گے اگر سچائی اور راستی پر مبنی ہیں اور درحقیقت اُن خیالات کا ماننے والا حیات ابدی کا مستحق ہو سکتا ہے تو اہل عقل اُن کی تصدیق فرما کر ہمکو راحت اور تسلی بخشیں اور اگر فی الواقع ان خیالات کو ہم نے اپنی غلطی سے دل میں جما لیا ہے یا اُن کے تسلیم کرنے میں اوہام کی آمیزش لگی ہوئی ہے یا کسی کی کورانہ تقلید اور بیجا حسن ظن کیوجہ سے انھوں نے ہمارے دل میں راہ پالی ہے تو براہ نوازش ہماری غلطیوں پر ہمکو متنبہ فرما کر ایک گم گشتہ راہ کی ہدایت کا اجر جو خدا کے یہاں سے ملسکتا ہے اپنے دفتر حسنات میں درج کرانے کی کوشش کریں۔

سامعین کو یہ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میری تحریر کا عام ماخذ اگرچہ اکابر سلف کی تصنیفات سے باہر نہوگا لیکن اس کا پیرایۂ بیان اور ترتیب دلائل جداگانہ طرز پر ہوگی اور شاید اصول اسلام

کے ضمن میں بعض ایسے مضامین بھی نظر پڑیں گے جن کی اسقدر تفصیل دوسری کتابوں میں نہ مل سکے گی کیونکہ اسلام کی فیض رسانی ہر خاص وعام اور ہر عالم وجاہل کیواسطے ہی اور اس کے اسرار اور فیوض عامہ کسی شخص پر ختم ہونیوالے نہیں ہیں۔ وہ اسلام جسکے چشمہ سے قطرہ قطرہ آبحیات بنکر نکلا ہے جسکے خزانہ میں سے علم ومعرفت کے لعل وجواہر تقسیم ہوتے رہے ہیں جس کی عالمگیر روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ جگمگا اُٹھا ہی وہ اپنے اخیر زمانہ کے پیرووں کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور اپنے ایک سچے مناقب وکمالات بیان کرنے والیکی کچھ بھی امداد نہ کرے یہ بالکل قیاس سے باہر ہی میں یقین کرتا ہوں کہ میری تقریر کا روشن عنوان اس مضمون میں خود میری رہبری کریگا اور اگر اور کچھ نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ ایک ایسے اولوالعزم مذہب کے نام لینے ہی سے میری تقدیر کی کافی حد تک عزت کیجا سکے گی۔

یہ بالکل یقینی بات ہی کہ اسلام کے یا اور کسی مذہب کے غیر متناہی فروع کا احاطہ کرنا اور ہر ایک جزئی جزئی کو دلائل یا قیاسات سے ثابت کر دکھانا صرف دشوار ہی نہیں بلکہ فضول اور بیکار بھی ہی کیونکہ جب ایک مذہب کے تمام اصول بروے عقل وانصاف تسلیم کرلئے گئے تو فروعات اور جزئیات کے ماننے میں انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ سکتی اس لئے ہر مذہب وملت کی جانچ اسکے اصول اور کلیات ہی کی صداقت سے کیجائیگی اور اس کی حقانیت کی پڑتال کا یہی بہتر اور آسان ذریعہ قرار پائیگا۔

اسی قید کو ملحوظ رکھکر ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصول یا کمہ (تنگی دقت کا لحاظ کرکے) اصل الاصول کہاں تک عقل صحیح اور فطرت سلیمہ کے زیر حمایت ہیں وہ انسان کی فلاح وبہبود کی کس حد تک کفالت کرسکتے ہیں دنیا کے دوسرے شاندار مذاہب سے انکو کیا فوقیت اور امتیاز حاصل ہی انہوں نے بندوں کے دلوں میں خدا کی کیسی قدر ومنزلت قائم

کرائی ہے اور پیغمبروں کا کس قسم کا احترام منوانے کی کوشش کی ہے اگر ہم اپنی اس تحقیق میں جس کا مدار محض نیک نیتی پر ہوگا خاطر خواہ کامیاب ہوگئے تو یوں سمجھو کہ ہم نے اپنی زندگی کا ایک بڑا بھاری فرض ادا کر لیا اور بہت سے دوستوں کو جو مجھ ہی جیسے ہوں سخت محنت اور کد و کاوش اور دوسری سے نجات دلادی اور ہزار ہا بندگان خدا کو تفتیش مذاہب میں ایک طویل جانکاہی سے بچا دیا۔

ہاں یہ بات بار بار یاد دلانے کے قابل ہے کہ اس مختصر تحریر میں جو کچھ مذکور ہوگا وہ طویل و عریض بیانات نہ ہوں گے نہ کثیر التعداد علماء کی رایوں کا استقصا اور موازنہ کیا جائے گا اور نہ بے انتہا کتابوں کے حوالے درج ہوں گے کیونکہ ان مباحث کیلئے ہم نے خود ایک ایسی مبسوط اور مستقل تصنیف کا ارادہ کر رکھا ہے جسکو ہماری اس تحریر سے وہی نسبت ہوگی جو کہ حضرت مولانا **محمد قاسم** صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر دلپذیر کو اُن کی حجۃ الاسلام سے، اس تحریر میں جو کچھ خیال ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اصول اسلام کی تشریح میں بعض کارآمد اور مفید عام مضامین نہایت ایجاز کے ساتھ لکھدیئے جائیں جن سے ایک طرف تو ہمارے مذہبی خیالات کا عام اندازہ ہوجائیگا اور دوسری طرف اس مفصّل کتاب کی (جس کا قصد میں نے ابھی ظاہر کیا) نوعیت مضامین سے واقف ہونے اور طرز تحریر کے پرکھنے کا بھی مشتاقوں کیواسطے یہ تحریر ایک نمونہ بنجائے گی۔

بلاشبہ اس قدر وسیع عنوان (**اسلام**) کو ان چند اوراق میں کھپا دینا دریا کو کوزہ میں بند کرنے سے ہرگز کم نہیں ہے مگر اسلام کے تعجب انگیز اعجازوں میں سے یہ بھی ایک ہی جسپر ڈاکٹر گسٹاولیبان وغیرہ محققین یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی ہو کہ وہ جس قدر طویل ہے اُسی قدر مختصر بھی ہے اور جتنا دشوار ہے اتنا ہی آسان بھی ہے اور جیسا کہ

اس سے ایک حکیم اور ارسطوِ وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے ایسے ہی ایک عامی اور افریقہ کا ایک وحشی بھی اپنا کام نکال لیتا ہی۔ اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہی ان ہی دو جملوں میں تمام اسلامی معتقدات کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہی اور یہی کلمہ شریعت کا اسلام کا جوہر ایمان کی روح۔ راستی کا نشان ہدایت کی زندہ تصویر اور علوم حقائق کا سرچشمہ ہی۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت حاصل ہوتی ہے اسی سے روحی مسرت اور حقیقی آرام ملتا ہے۔ اسی کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کئے گئے ہیں اور اسی کے چھوڑنے سے آج اُن کو قعرِ مذلت میں گرا دیا گیا۔

لیکن جبکہ یہ کلمہ کل اہل اسلام کے نزدیک ایسی نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تصور کر لیا گیا تو نہایت ضروری ہے کہ اسلام پر مضمون لکھنے والا اول اسی کی حقیقت کے واضح کرنے میں اپنا وقت صرف کرے اور جب تک اس کی کامل تحقیق سے فارغ نہو جائے اسی کو مطمحِ نظر بنائے رکھے چنانچہ میرا ارادہ بھی اس وقت یہی ہی کہ میں اس کلمہ کی تحلیل و تقسیم کر کے اس کے ہر ہر جزو پر مستوعب بحث کروں۔

جہانتک غور کیا گیا اس کلمہ کے دو جز نظر آئے ان میں سے پہلا جزو جسکے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز معبود بننے کی صلاحیت و استحقاق نہیں رکھتی" فی الواقع تین مضمونوں پر مشتمل ہی۔ خدا کا وجود ہونا اس کا قابل عبادات ہونا۔ اور اُس کی خدائی میں کسی کا شریک نہ ہونا

پہلا مضمون یعنی خدا کا وجود

یہی وہ مضمون ہی جس کی تائید تمام ادیان و مذاہب نے یکزبان ہو کر کی ہی اور

اور جس پر بلا نکیر اہل ملل کا اجماع منعقد ہو چکا ہی۔ ملاحدہ جنکا دوسرا نام منکرین مذہب بھی ہی زور شور کے ساتھ اسی مضمون کی تردید پر تلے ہوئے ہیں اور مادیین (میٹریلیسٹ) کے گروہ سے ہماری سب سے بڑی معرکہ آرائی اسی میدان میں ہو سکتی ہے۔

یورپ میں مادہ پرستوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اس نے آجکل مذہبی دنیا میں ایک عام ہلچل ڈال رکھی ہی اور نہایت بیباکی کیساتھ اس کا اظہار کیا ہے کہ خدا کا وجود ہرگز کوئی واقعی وجود نہیں ہی بلکہ وہ بھی ان وہمی اشیاء میں سے ایک شے ہی جنکو انسانی تخیل نے بدو فطرت میں قوانین طبیعیہ سے مرعوب ہو کر اختراع کر لیا تھا رفتہ رفتہ اس فرضی خدا نے لوگوں کے کے دماغوں پر ایسا کچھ قبضہ اور اقتدار حاصل کیا کہ انھوں نے اپنے تمام اعمال و افعال اور تمام ارادوں بلکہ تمام کائنات کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دیدی اور محض اپنی خوش اعتقادی سے یہ سمجھ لیا کہ دنیا میں جو کچھ کرتا ہی خدا ہی کرتا ہے اور جس قدر حوادث پیش آتے ہیں یا واقعات کا ظہور ہوتا ہی یہاں تک کہ ایک پتہ بھی اگر ہلتا ہو اور ایک تنکہ بھی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہی تو بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے نہیں ہو سکتا۔

مادہ پرست کہتے ہیں "کہ اہل مذاہب سے کوئی پوچھے کہ تم کو ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کے ماننے پر کس چیز نے مجبور کیا ہی کیا عالم میں جو حوادث واقع ہوتے رہتے ہیں یا زمانہ جو پلٹیاں کھاتا ہی یا وجود کی آمد و شد جو اکثر چیزوں میں مشاہدہ کی جارہی ہی تمہارے اس فرضی خدا کے سوا اور کسی سبب سے ربط نہیں کھا سکتے یا مادہ جو نوع اپنی حرکت کے ازلی و ابدی ہی ان ضرورتوں کو سرانجام نہیں دیسکتا یا خواہی نخواہی تمکو ایک موہوم اور خارج از عقل ہستی کے سامنے جبہ سائی ضروری معلوم ہوئی اگر ہم سے پوچھو تو یہ سب خیالات ارباب مذاہب کی ناواقفیت اور کوتاہ فہمی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ زمانہ حال کی تحقیقات نے

یہ ثابت کردیا ہی کہ عالم کے تمام سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں۔ مادہ اور اس کی قوت (حرکت) اور ازل سے دونوں تلازم کے ساتھ موجود ہیں یہ ناممکن ہی کہ مادہ اور اسکی حرکت میں انفصال یا جدائی ہو سکے اور ایک بغیر دوسرے کے پایا جائے۔ مادہ سے وہی اجزاء دیمقراطیسی مراد ہیں۔ جو اس خلاء میں بکھرے ہوئے ہیں اور جو اگرچہ ذہنی قسمت قبول کر سکتے ہیں لیکن خارجی تقسیم کا ان میں مساغ نہیں ان ہی ذرات کو اثیر (ایتھر) سے تعبیر کرتے ہیں اور انہیں کے دوامی حرکت کیوجہ سے اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات و نباتات اور حیوانات جو پہلے سے موجود نہ تھے وجود میں آئے ہیں اور ان چیزوں کا مادہ اور اس کی حرکت سے بننا بھی ویسا ہی ہی جیسا کہ کوئی معلول اپنی علت سے بے اختیار بنجاتا ہے۔ چنانچہ ان اشیاء کی پیدائش میں مادہ اور اُس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہی اور نہ اُن میں قصد و ارادہ پایا جاتا ہی اور جب ہم کرات عالم اور تمام مخلوقات کے وجود کو مادہ اور اس کی حرکت سے منسوب کر سکتے ہیں تو نہ ہم کو کسی فرضی خدا کی حکومت ماننی پڑتی ہی اور نہ اپنے کو مذہبی طوق و سلاسل میں پھانسنے کی ضرورت رہتی ہی غرض ہمارے نزدیک مادہ بھی قدیم ہی اور اس کی حرکت بھی قدیم ہی اور جو سلسلہ صورتوں کا مادہ کے اندر قائم رہتا ہی وہ بھی قدیم ہے اگرچہ صورت شخصیہ علیحدہ علیحدہ حادث ہے اس حالت میں ہمکو خدا کے وجود کی اصلا ضرورت نہیں بلکہ مادہ اور اُس کے قوانین فطریہ ہی عالم کی ہستی اور بقا کی ضمانت ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ بیشک مادیین نے بزعم خود کائنات کے وجود کا ایک خاص سبب پیدا کیا لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے سبب کی ہمکو تلاش تھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی انھوں نے ہمکو ایک نہایت علیم و حکیم اور ہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ

کرکے ایک ایسے خدا پر قناعت کرنیکی رائے دی جو بالکل اندہا۔ بہرا۔ گونگا۔ اور بے حس و بے شعور ہی جس کا کوئی کام نہ قصد و اختیار سے ہو سکتا ہی نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب اور تناسب پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اس میں تجربہ کا مادہ ہی نہ وہ کسی قاعدہ قانون سے واقف ہی نہ اسکو امور انتظامیہ کی اطلاع ہی حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہمکو کھوج لگانا تہا وہ عالم کائنات کا ایک ایسا مجموعہ ہی جس کے ہر ہر جزو میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جسکے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہی اور جس کے بہت تھوڑے حصہ کا تتبع کرنے سے حکما کو خصوصاً ان مادیین کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہی کہ مظاہر فطرت کی جسقدر باریکیاں ہم معلوم کر سکے ہیں وہ اس سے بہت ہی کم ہیں جو ابتک معلوم نہیں ہو سکیں۔ علم تشریح علم الافلاک۔ علم الحیوانات۔ علم نباتات۔ اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو جو رازہائے قدرت تم نے موجودات عالم میں آجتک دریافت کئے ہیں وہ کس قدر ہیں اور اُن کی حفاظت کیواسطے کتنے دفتر اور کتب خانہ تمکو درکار ہوئے ہیں۔

پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجتمندی کے آثار پائے جاتے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈالو اور ہر ہر شے کی پستی و ذلت کو جس سے خدائے تعالیٰ کی پر حکمت جبروت کا سبق حاصل ہوتا ہی بنظر تعمق ملاحظہ کرو تاکہ تمکو معلوم ہو کہ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرا اور بخت و اتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہی۔

آسمان۔ چاند۔ سورج۔ اور ستاروں کو دیکھئے کہ ایک حال پر قرار نہیں۔ کبھی عروج ہی۔ کبھی نزول۔ کبھی طلوع ہی کبھی غروب۔ کبھی نور کبھی گہن۔ آگ کو دیکھئے کہ بیقرار ہی بقائے نہیں تھمتی۔ ہوا کا یہ حال ہی کہ کبھی حرکت کبھی سکون اور حرکت بھی ہی تو کبھی شمال۔ کبھی جنوب

کبھی پورب اور کبھی پچھم کو ماری ماری پھرتی ہے۔ ادھر پانی کا کرہ ہوا کے دھکوں سے کہیں کا کہیں نکلا جاتا ہے اور زمین کو بھی پستی کے سوا لاچاری اس درجہ کو ہے کہ اس پر کوئی دوڑتا ہے کوئی بھاگتا ہے۔ کوئی کھودتا ہے کوئی بھرتا ہے۔ اسی طرح نباتات کبھی چھوٹے ہوتے ہیں۔ کبھی بڑے کبھی تر ہوتے ہیں۔ کبھی خشک ہو جاتے ہیں اور اس پر ایک زمین ایک پانی اور ایک آفتاب ہونیکے باوجود اسقدر مختلف پھول اور پھل لاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا علی ہذا القیاس حیوانات خصوصًا بنی نوع انسان باوجودیکہ سب کے سب اربع عناصر ہی سے مرکب ہیں شکل و شمائل خو۔ بو اور خاصیت مزاج میں اتنے مختلف معلوم ہوتے ہیں کہ حد ادراک سے باہر ہے اس کے علاوہ بھوک پیاس صحت۔ مرض۔ گرمی۔ سردی اور حرص و ہوا وغیرہ کے بہت سے موکل انکے پیچھے ایسے لگا دیئے ہیں کہ جس سے شرف حیات بھی خاک میں ملگیا۔ اور حضرت انسان کے پیچھے تو اتنا لشکر خواہشات اور حاجات کا متعین ہوا کہ جس نے اس کی فہم و دانش کو ناچار کر کے تمام شرافت و عزت کو ملیا میٹ کر دیا دیگر حیوانات تو صرف کھانے پینے ہی کے محتاج ہیں۔ لباس۔ مکانات۔ سواری۔ عزت منصب۔ جاگیر۔ میٹھے۔ کھٹے۔ نمکین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے لیکن انسان کو بغیر ان چیزوں کے بھی زندگی بسر کرنا محال یا دشوار ہے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس میں کوئی خوبی اور کمال زیادہ تر تھا اسی کو اوروں کی نسبت زیادہ قیودات میں پابند کر کے رکھا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ اگر غریبوں کو قید کرتے ہیں تو کئی کئی قیدیوں کو ایک محافظ سپاہی کفایت کرتا ہے اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر اُن کی قید میں آجاتا ہے۔ تو گو اُسے تعظیم سے رکھیں لیکن اس بہت بہت پہرے اور بڑے بڑے بہادر حفاظت کیلئے مقرر کیا کرتے ہیں۔

بہرحال جبکہ ایسے ایسے اشرف اجزاء عالم اس ذلت و خواری میں گرفتار ہیں جسکا ذکر اوپر

جو ایسے مجبور ہیں کہ ایک دم کو بھی ان قیودات کے شکنجوں سے وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے تو بلا شبہ ان کے سر پر کوئی ایسا منتظم حاکم ہی جو ان سے ہر وقت قیدیوں کی مانند یہ سب بیگاریں لیتا ہی اور چین سے نہیں رہنے دیتا تاکہ یہ مغرور نہ ہو جائیں اور اوروں کو انپر بے نیازی کا گمان نہ پیدا ہو۔

بلکہ اُن کو ایسا ذلیل و خوار دیکھکر یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی خدا کو پہچانیں اور سمجھ لیں کہ یہ اُسکے انتظام کی خوبی ہی کہ ان سے طرح طرحکے کام لیتا ہے اور اُنپر قسم قسم کے احوال بھیجتا ہی اور یہ ایسا قصہ ہی جیسا کہ ایک بیدار مغز اور مدبر حاکم اپنے ماتحتوں کو فارغ نہیں رہنے دیتا اور اسپر بھی کبھی کہیں کبھی کہیں تبدیل کرتا رہتا ہی۔

یورپ کا ایک محقق راسکن بھی انہیں مناظر قدرت کو دیکھکر کہتا ہی کہ اے آسمانوں مجھکو خبر دو۔ اے دریاؤ مجھکو بتاؤ۔ اے زمین مجھکو جواب دے اے بے انتہا ستارو تم بولو کہ کونسا ہاتھ ہے جس نے تمکو افق میں تھام رکھا ہی او شب چاردہ کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہی تو کس قدر پُرشان ہے اور کس قدر عظمت مآب ہے۔ تو خود بتا رہی ہی کہ تیرا کوئی صانع ہی جس نے تجھکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نُور سے مرصع کیا ہی جس طرح کہ اُس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہی اور گرد کو ابھارا ہے۔ او مژدہ رسان سحر۔ او نیر شنگرف۔ او ہمیشہ روشن رہنے والے ستارے۔ او آفتاب درخشاں سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کیلئے محیط کے پردے سے باہر آتا ہی اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہی اے پُر رعب سمندر اے وہ کہ غضبناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہی کس نے تجھکو محبوس کر رکھا ہی جس طرح شیر کٹہرہ میں قید کر دیا جاتا ہی۔ تو اس قید خانہ سے بیفائدہ نکلنے کی کوشش کرتا ہی تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

ملین اڈورڈ کہتا ہے کہ ”انسان اسوقت سخت حیرت زیادہ ہوجاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت و اتفاق کے نتائج ہیں یا دوسری عبارت میں یوں کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جنکو لوگوں نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے انکو بالکل باطل کردیا ہے فزیکل سائنس دان کبھی اس پر اعتقاد نہیں لاسکتا۔“ ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے کہ ”یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب انپر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اُوپر ایک ازلی و ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیا وجود میں آتے ہیں۔“ پروفیسر لینا کہتا ہے ”وہ خدائے اکبر جو ازلی ہے جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب و غریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہوجاتا ہوں۔“

اب ان سب کے جواب میں مادّہ پرست کہتے ہیں کہ یہ تمام عمدہ انتظام اور مضبوط قاعدے جو دُنیا میں جاری ہیں یہ سب بھی مادّہ اور حرکت کی ہی کارسازیاں ہیں اور مادّہ اگرچہ خود نہیں جانتا مگر خود بخود اس سے بے سوچے ایسے ایسے حیرت انگیز قوانین اور اصول بنجاتے ہیں۔ جنکی اس عالم کو ضرورت رہتی ہے اور جسپر نظام عالم کا دارمدار ہے لیکن ان حضرات سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہندوستان کے کسی گاؤں میں ایک بچہ پیدا ہوا اور بچہ پیدا ہوتے ہی اس نے نہایت فصیح و بلیغ تقریر شروع کی اور وہ علوم و معارف اس کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جنکی خبر نہ ارسطو کو ہوئی تھی نہ افلاطون کو نہ بیکن کا ذہن وہاں تک پہونچا تھا اور نہ نیوٹن کا نہ رازی کو وہ مضامین خواب میں نظر آئے تھے نہ امام غزالی کو تو یہ لوگ ہرگز اس کے بیان کی تصدیق نہ کر سکیں گے بلکہ جو شخص اس عجوبہ زا قصہ کی تصدیق کرے گا اس کو بھی ان لوگوں کے یہاں سے مجنوں

دیوانہ، خبطی اور پاگل کا خطاب ملیگا۔

تو کیا اے عقلمند و مادہ کی وہ سحر کاریاں اس واقعہ کی ندّت سے کچھ کم حیرت افزا ہیں وہ بچہ جو ایک ناکمل انسان ہو ان امور کی قدرت نہ رکھے جنکو چند تعلیم یافتہ مرد انجام دے سکتے ہیں اور ایک جماد لایعقل جسکو ذرّہ برابر بھی ادراک و شعور نہیں تمام مخلوقات کی حفاظت اور زینت کے ایسے محکم دستور العمل تیار کرے جنکو دیکھکر دُنیا کے عقلا حیران ہیں اور جنکے اسرار و حکمت کی گہرائی کو سب ملکر بھی آجتک معلوم نہیں کر سکے اگر اس پر بھی آپ یہی کہے جاویں کہ نہیں کچھ ہی ہو ان تمام قوانین کی واضع وہی مادہ کی بے اختیاری حرکت ہے، تو بقول علامہ حسین آفندی۔

ہماری اور آپ کی مثال ٹھیک ان دو شخصوں کی سی ہوگی جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے جسمیں متعدد کمرے اور نشستگاہیں پائی جاتی ہیں دو دروازوں اور جنگلوں سے آراستہ ہو اُس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں، اور کمروں میں اعلیٰ درجے کے فرش بچھے ہوئے ہوں بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں۔ نہایت بیش قیمت برتن اس کے چاروں طرف قرینے سے رکھے ہوں۔ مختلف گھڑیوں متعدد مقیاس الحرارۃ و مقیاس الہوا کے ذریعہ اس کی دیواروں کی زیبایش کیگئی ہو غرض اس میں بود و باش کرنیکے لئے جتنے ساز و سامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں، اُس کی چاروں طرف نہایت خوبصورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں گرد اگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جن میں درختوں کا صف باندھکر کھڑا ہونا نگاہوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو قسم قسم کی پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اُس کی نہروں اور جدولوں میں پانی شوخی سے بھرا ہو اُس کے مستحکم بنے ہوئے حوض لبالب بھرے ہوں خلاصہ یہ کہ عیش و

آرام کے سب سامان مہیّا ہوں جو کہ انہیں دیکہے ہی کہے کہ فلاں حکمت پر مبنی ہے اس چیز سے یہ فائدہ ہے اس کی یہ ضرورت ہے اس کا بنانیوالا کیسا ذی اختیار اور خوش تدبیر تہا۔ جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینے سے بنائی اور جس شئے کیلئے جو مقام تجویز کیا اُس کے لئے وہی مناسب تہا۔

اب ایسے مقام پر پہونچکر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ صاحب اس میں ذرا شک نہیں کہ اس کا بنانیوالا ان ساری عجیب و غریب صنّاعیوں پر خوب ہی قادر تہا۔ اور ان کی تالیف و ترتیب کے طریقوں سے بہی بڑی واقفیت رکہتا تہا جب اُس نے انتہا درجہ کی حکمت کے موافق اس کو اسقدر مضبوط اور استوار بنایا اور خوبی یہ کہ اس کے تمامی لوازمات کامل طور پر مہیّا کر دیئے تاکہ یہاں رہنا اور کماحقہٗ عیش و آرام سے بسر کرنا ممکن ہو اور کوئی امر آسائش و راحت میں مخل ہونے پائے اس کے بنانیوالے کو اگرچہ ہم نے اپنی آنکہوں سے دیکہا نہیں اگر یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اس میں علم و قدرت تدبیر و حکمت وغیرہ اوصاف جنکی کہ اس کوٹہی کے بنانے میں ضرورت پڑتی ہے سب موجود تہے باقی اس کوٹہی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض چیزیں ایسی بہی پائی جاتی ہیں جن کی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن ان میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اگرچہ میں اس کو دریافت نہیں کر سکا کیونکہ جن اشیا کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اُس سے اطمینان کر لیا ہے کہ اُس کا بنانیوالا بڑا حکمت والا ہے تو اُس نے اُن کو بہی خارج از حکمت و مصلحت نہ بنایا ہوگا۔

اب دوسرا شخص اپنے ساتہی سے کہنے لگا کہ اس کوٹہی کے وجود کا سبب جو تم نے بتلایا یہ درست نہیں بلکہ ایک پہاڑی کی طرف (جو اس کوٹہی کے پاس استادہ تہی اور جس کی جڑ میں ایک پانی کا چشمہ جاری تہا) اشارہ کرکے کہا کہ اس پہاڑی کی چوٹی سے

اس قطعہ زمین کی جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے۔ یہی ہوا لاکھوں برس تک مٹی اور پتھروں کو پہاڑی سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین میں جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہو گئی کبھی کچھ اسی طرح کبھی وہ چیزیں مجتمع ہو گئیں اور کبھی پراگندہ اور اُن کی اوضاع شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی یہانتک کہ کروڑوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد اب اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بنگئی جس میں کمرے نشستگاہیں۔ دروازے۔ جنگلے۔ برآمدے۔ راستے۔ حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں۔ رہا نہروں کا جاری ہونا اس کی یہ صورت ہوئی کہ اس چشمہ سے جو کہ اس پہاڑی کی تلی میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہ بہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہو گیا اس لئے پانی سے اُس کی مٹی گھستی رہی ہوا اور بارش کا اثر اس کے راستہ میں ہوتا رہا۔ شدہ شدہ لاکھوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضین جاری ہو گئیں اور ان میں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔ اب اس کے برتن گھڑیوں۔ فرش۔ اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے اُن کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر اس زمین میں اترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں اور ہوا اُن کو مختلف طرح پر ادہر ادہر منتقل کرتی رہی حتیٰ کہ سالہا سال کے بعد یہ نوبت پہونچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے برتن قطاروں میں آراستہ۔ گھڑیاں اور مقیاس دیواروں پر آویزاں ہو گئیں۔ یہی حالت ان درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں اُن کے بیج ہوا میں اڑ کر یہاں تک پہونچ گئے اور اس زمین پر جم کر اُگ آئے اور ہوا کی وجہ سے ادہر اُدہر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہو گئے

اور موجودہ حالت پر نظر آنے لگے۔

اب وہ شخص جس کے دماغ میں کچھ بھی عقل اور سر میں کچھ بھی انصاف ہی بے لاگ ہو کر ان دونوں بیانات کا فیصلہ کر دے اور بے تعصبی کی راہ سے بتلا دے کہ اس کوٹھی کے تیار ہونیکا وہ سبب جو پہلے آدمی نے بتلایا ہی عقل کے نزدیک ماننے کے قابل ہی یا دوسرے شخص کی بیہودہ بکواس اور اسی طرح عالم کی پر اسرار ہستی کے واسطے ایک قادر مطلق اور علام الغیوب خدا کا اعتقاد رکھنا زیادہ قرین قیاس ہی یا ایک جاہل اور اپاہج مادہ کا اور ایسی صورت میں ارب ہا ارب انسانوں کی رائے (جو آدم علیہ السّلام کے عہد سے اس وقت تک گزرے ہیں اور جن میں بڑے بڑے حکماء اور اولو العزم انبیاء بھی شامل ہیں) صحت اور واقعیت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہی یا ہزار دو ہزار غافل اور بدمستوں کی۔

بلاشبہ ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے قوانین قدرت کو جن سے خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور صناعیوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہی۔ خدائے برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا۔ بلکہ صرف اُن قوانین میں جو حرکت مادّہ سے پیدا ہوئی ہیں باہم توافق تناسب ربط اتحاد پیدا کرنے کے لئے خدا کے وجود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب و اتحاد کا باقی رکھنا بھی اسی مادّہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسے ایسے غامض اور غیر متغیر قوانین عالم میں جاری کر دیئے ہیں۔

تماشے کی بات یہ ہی کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علماء نے مادّہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہو کر مادّہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دوسری اقوام کے بڈھوں نے بھی یورپ کے ملحدوں سے ڈر کر قدامت کے مسئلہ کو جزو مذہب بنا لیا ہی اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی نیو جمانا شروع کر دی حالانکہ دنیا کی وہ پرانی کتاب جس پر یہ لوگ نہایت زور شور کیساتھ

ایمان رکھتے ہیں اور جس کو اہل ہند کی عزت افزائی نے الہامی کتاب بھی بنا دیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہی کہ خدا کی ذات و صفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہی چنانچہ رگوید منتر ۱ اشلوک ۸۔ ادھیائے ورگ ۷، اکا جو ترجمہ خود سوامی دیانند جی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا صفحہ میں کیا اس کی حرف بحرف نقل یہ ہی۔ "جس وقت ذرّوں سے ملکر بنی ہوئی دُنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اسوقت یعنی پیدائش کائنات سے پہلے است (غیر محسوس حالت) تھی یعنی شونیہ اکاش بھی نہیں تھا کیونکہ اس کا اس وقت کچھ کاروبار نہیں تھا اس وقت (ست پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علّت جسکو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرّے) تھے وراٹ (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجہ پر آتا ہی وہ بھی نتھا بلکہ اس وقت صرف پربرہم کے سامرتہہ (قُدرتُ) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر پرم (بے علت) اکارن ہے موجود تھی۔" الخ

کیا رگوید کی اس صریح عبارت میں کوئی تاویل چل سکتی ہی۔ کیا کسی تاویل کرنیوالے کے لفظی الٹ پھیر کچھ کام دے سکتے ہیں۔ کیا اسکے بعد بھی ان حضرات کے دو اہم اصول قدامت عالم اور تناسخ کی بیخ و بنیاد قائم رہ سکتی ہی؟ ہمکو افسوس ہی کہ اس قوم کے لیڈروں کی کوشش جو انھوں نے وید کی جدّت طرازی میں کی تھی بالکل رائگاں گئی اور انھوں نے خدا کو لوہار۔ بڑھی۔ کمہار کے ساتھ تشبیہ دینے میں فضول اپنا وقت ضائع کیا انکا خیال ہی کہ جس طرح بڑھئی لوہار ظروف ساز وغیرہ اپنے ہر چیز کے بنانے میں مادّہ کی احتیاج رکھتے ہیں اسی طرح خداوند کارساز کیلئے بھی یہ ممکن نہوگا کہ وہ دُنیا کے کارخانوں کو بغیر کسی مادّہ کے بنا دے۔

لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑھی لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں اعضا جسمانی وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے۔ حالانکہ خدا کی

نسبت خود بھومکا صفحہ ۹ میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس کو ان آلات کی ضرورت نہیں۔ بڑھئی لوہار وغیرہ کو جیساکہ کسی چیز کے بنانے میں مادہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی بھی ضرورت ہے۔ حالانکہ ستیارتھ پرکاش کی تصریح کے موافق خدائے عزوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سنتا ہے اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے۔

تو ایسی حالت میں نہ معلوم ان حضرات کو ویدک تعلیم کے برخلاف مادہ قدیم کہنے اور اسپر تناسخ کا خیال باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر یہی نہ کہہ یا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے۔ کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزونکا وجود خدائے تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی و مستعار ہے جیساکہ زمین و آسمان اور در و دیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرم پانی کی گرمی آگ کی حرارت سے اس خدائے واحد نے اپنی قدرت کاملہ اور ارادہ نافذہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے اختیار سے جب چاہیگا نیست کر دیگا نہ اس کو مادہ کی احتیاج ہے نہ اس پر روح کی حکومت ہے، نہ اُسکے اختیارات محدود ہیں اور نہ اُس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہے وہ تمام کمالات کیساتھ موصوف اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے۔ کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجود ہی انکا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی اُن کا باعث ہوا ہے تو جب خدا کا وجود غیر محدود اور اُس کا خانہ زاد ہی کسی دوسری جگہ سے آیا ہوا نہیں اور نہ عدم کا اصلا اس کے ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اسکے بیحد و بے پایان اور غیر مستفاد ہوں گے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اسکے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا۔

پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار و قدرت سے دنیا کو بنایا ہے۔ تو یقیناً

اُس کی ایجاد اور ابقا میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہونگی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کے علم میں اُس کا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا۔ جسکو غالباً اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موزون ہی کہ لغت میں اس لفظ کے معنی اندازہ ہی کرنے کے ہیں۔

بہر حال ابتک جو کچھ ہم نے لکھا اس میں اگرچہ اثبات صانع عالم کے متعلق وہ زبردست استدلالات نہیں لکھے گئے جن کی تفصیل ہمارے متکلمین نے اپنی مبسوط تصانیف میں کی ہی یا جنکو ہم انشاءاللہ اسی مفصل کتاب میں ہم درج کریں گے جسکا وعدہ پہلے ہو چکا ہی ہم ایک سچی دلنشین اور عام فہم طریقہ سے جسقدر اس مختصر تحریر میں گنجائش تھی عالم کیواسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پا گیا اور یہی وہ مدعا تھا جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ اس میں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کیلئے کیا تنہا ایک ہی خدا کا وجود کافی ہو سکتا ہے۔ اور اسی سے ہماری سب حاجتیں پوری ہو سکتی ہیں یا ہمکو مختلف ضروریات کیواسطے در در بھٹکنا پڑیگا اور بہت سے خود مختار بادشاہوں کے سامنے گردن جھکانا ہوگی۔

توحید

یہی وہ بحث ہی جس کے ضمن میں اسلام کے چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں۔

یہی وہ مقام ہے جس میں آکر تمام مذاہب کے قدم لغزش کھا گئے ہیں اور یہی وہ موقعہ ہی جہاں پہونچکر دین برحق کے کارناموں کی آزمائش ہوتی ہی مگر قبل اس کے کہ ہم اس بارہ میں مذہب اسلام کی خصوصیات کو نہایت جلی حرفوں کے اندر ظاہر کریں یہ لازم خیال کرتے ہیں کہ جملہ مذاہب کے علیحدہ ہو کر محض عقلی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھیں اور خدائے کامل کے دریافت

کرنیوالی عقلوں سے دریافت کریں کہ آیا فی الواقع ایک ہی خدا ساری دُنیا کا بلا مشقت انتظام کرسکتا ہی۔ یا اُس کو اپنی حکومت کے برقرار رکھنے میں کسی یار مددگار کی بھی ضرورت ہی۔ جہانتک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامتہ حضرت مولانا **محمّد قاسم** صاحبؒ سے زیادہ پر مغز اور جامع کسی نے نہیں دیا اور مصنفین میں غالبًا اس قسم کی فلسفیانہ بحث کو اس قدر سلیس زبان میں کوئی نہیں سمجھا سکا چنانچہ مولانا کے ان مضامین کا ماحصل جو تقریر دلپذیر میں ہے درج ذیل ہے۔

شعر

مطرب از گفتۂ حافظ غزل نغز بخوان　　تا بگویم کہ ز عہد طربم یاد آمد

جناب من دنیا کے پیدا کرنیوالے اگر دو یا دو سے زائد خدا ہونگے تو ہرگز کوئی چیز بھی وجود میں نہ آسکے گی اور یہ سارا قدرتی کارخانہ بالکل درہم و برہم ہوجائیگا کیونکہ یہ بات تو یقینی طور پر تسلیم کی جاچکی ہی کہ جس چیز کو خدا کہا جائے اس میں کسی طرح کی کمی اور نقصان نہونا چاہیئے اگر ایسا ہو کہ عام بندوں میں اور اس میں کوئی فرق نہیں رہ سکتا اس لئے کہ بندے خدا بننے سے اس لئے محروم ہیں کہ ان میں قسم قسم کے نقصانات پائے جاتے ہیں اور وجود کی باگ ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ جو خوبی اور جو کمال چاہیں اپنے واسطے موجود کرلیں اب اگر خدا بھی ایسا ہی مجبور ناقص ہو تو اسکو کیا استحقاق ہی کہ وہ ہمارا خدا بن بیٹھے جب یہ بات قرار پاگئی تو اب یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا کہ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک کی ورنہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی اور کسر ہوگی۔ اس بنا پر یہی کہنا پڑیگا کہ ہر ایک خدا پوری پوری خدائی کا مالک ہی۔

مگر اس صورت میں جیسا وہ کامل ہوگا دوسرے پر اس کی تاثیر بھی کامل ہی واقع ہوگی کیونکہ ممکنات اور خالق کی ایسی مثال ہی جیسے آفتاب یا چاند اور زمین و آسمان وغیرہ کی

آفتاب سے آفتاب کی طرح کا اور چاند سے چاند کی طرح کا نور پھیلتا ہے اور زمین و آسمان و در و دیوار کوہ و اشجار وغیرہ میں سے ہر ایک شئے کو حسب قابلیت منور کر دیتا ہے اور چیزیں تو فقط نظر ہی آنے لگتی ہیں لیکن آئینے کا اوتنے ہی نور سے کچھ اور حال ہو جاتا ہے۔ وہ خود بھی منوّر ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کر دیتا ہے۔ الغرض جتنا چاند اور سورج میں فرق ہے اوتنا ہی اُن کی شعاعوں میں اور اور چیزوں کے منوّر ہونے میں فرق ہے۔ تو جب خدا کا وجود بڑا ہی کامل ٹھیرا اور مخلوقات کے موجود کرنے میں اس کی تاثیر بھی کامل ہوئی اب اگر ایسے ایسے دو یا کئی خدا ہونگے اور مخلوقات مشترک ہوگی تو ہر طرف سے کامل ہی کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ اور حوصلہ کے موافق آئیگا گز میں گز بھر اور بالشت میں بالشت بھر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک سیر بھر کے برتن میں دو سیر اناج اور ایک جوتے میں ویسے ویسے دو قدم اور ایک اچکن میں اس کے موافق دو بدن اور ایک نیام میں اسی مقدار کی دو تلواریں اور ایک مکان میں اسی کی گنجائش کیموافق دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور دھینگا دھینگی سے ایک میں دو کو ڈالنے لگتے ہیں تو وہ سانچے اور برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں اسی طرح اگر دونوں خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بیشک وہ مخلوق معدوم اور نیست و نابود ہو جائیگی۔

ہاں اگر خدا کے وجود کا کامل ہونا ثابت نہوتا بلکہ اس میں نقصان اور کمی کا احتمال ہوتا تو یوں بھی کہہ سکتے کہ جیسے دو چراغوں کا نور ملکر کامل نور ہو جاتا ہی دو خدا کے وجود کا پرتو ملکر کمال کو پہونچ جاتا ہوگا۔ مگر اس کو کیا کیجئے کہ خدائی کیواسطے کامل الوجود اور تام الصفات ہونا لازم ہے اور تمام اہل مذاہب کو اس کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔

اسکے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دو وجود دو خداؤں کی جانب سے مخلوق کو عطا ہوئے۔ اگر

ایک ہی خدا کے خزانہ میں ہوتے اور جو زور و قوۃ اور شوکت و حشمت دوسرے کو حاصل ہی وہ سب بھی اسی ایک خدا کے پاس ہوتے تو بلا شبہ یہ سب ملکر اس ایک تنہا خدا کی انفرادی قوۃ میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک خدا کے وجود میں فی الجملہ کوتاہی اور نقصان ہی جسکی مکافات دوسرے کے وجود سے کی جا سکتی ہی باوجودیکہ اس کا اقرار کیا جا چکا ہی کہ خدائے پاک کی ذات ہر قسم کے قصور و فتور سے مُبرّا ہی۔ وہ بے نقصان ہے سب چیزیں اس کے بھروسہ پر قائم ہیں وہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وہ سب کی اصل ہے۔ اور سب اُس کی فرع ہین۔

اور کیوں نہو جس سلسلہ کو دیکھیے ایک ہی اصل پر قرار پکڑتا ہے نور آفتاب اگرچہ ہزاروں مکانوں اور ہزار ہا روشندانون میں جُدا جلوہ گر ہے لیکن ان سب متفرق انوار کو اسی ایک آفتاب کے ساتھ رابطہ ہی۔ عدد کا سلسلہ گو ایک سے الی غیر النہایہ پھیلا ہوا ہی کہیں دو٢ ہیں کہیں تین٣ کہیں چار٤ کہیں پانچ٥ کہیں بیس٢٠ کہیں سو١٠٠ کہیں ہزار اور اسپر کہیں جذر کہیں مجذور کہیں حاصل ضرب کہیں مضروب فیہ کہیں حاصل قسمت کہیں مقسوم کہیں مقسوم علیہ وغیرہ لیکن ان سب کی اصل وہی ایک کا عدد ہی اگر ایک نہو تو یہ سارا سلسلہ اعداد کا نیست و نابود ہو جائے موجون اور حبابون کے کارخانوں کو دیکھیے تو سب کی اصل وہی ایک جڑ ہی آدمی وغیرہ کو دیکھیے تو سب کے ایک اصل میں جسے انسانیت وغیرہ کہتے ہیں مشترک ہیں۔

اسی طرح جہان نظر پڑتی ہے کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جسکا کوئی سرمنشا نہو اور پھر ان سرمنشاؤں کو دیکھیے تو انکا کوئی اور سرمنشا ہی وھلم جرّا مثلاً ہم تم۔ ہندو مسلمان۔ یہود و نصاری وغیرہ میں آدمیت سرمنشا ہے۔ اسی طرح گھوڑوں میں کوئی اور سرمنشا ہے اور گدھوں کی اور اصل اور کتوں کی اور اصل ہے ان سب اصولوں کی اصل جاندار ہونا ہے

ادہر نباتات کی علیحدہ اصل ہے اور اُن کا جدا ہی سلسلہ اور جدا ہی سرمنشا ہے پھر ان کی اصل اور اور جانداروں کی اصل جسمیت کی زیر حکومت ہے، اسی طرح اوپر تک چلے چلو آخر میں جاکر سارے عالم کا اشتراک وجود میں نکلتا ہے لیکن چونکہ شے مشترک عین اشیاء متعددہ نہیں ہوسکتی اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ وجود عین عالم اور عین موجودات نہیں (جیسا کہ اپنے موقعہ میں دلائل سے ثابت ہوچکا ہے) بلکہ بایں لحاظ کہ ایک شے کبھی موجود ہوسکتی ہے کبھی معدوم یہ کہا جائے گا کہ وجود عالم ایک خارجی اور عارضی چیز ہے اصلی اور ذاتی نہیں جیسا کہ پانی اپنی ذات سے گرم نہیں ہے اور آگ کی حرارت سے جو کہ اس کی اصلی اور ذاتی صفت ہے اس میں عارضی گرمی پیدا کرسکتے ہیں یا صاف وشفاف آئینہ کا نور جو کہ آفتاب کے مقابل ہو اصلی نہیں بلکہ آفتاب کا فیض ہے جس کا نور اصلی اور ذاتی ہے ٹھیک اسی طرح عالم کے وجود عارضی کے لئے بھی ضرورت ہے کہ وہ کسی ایسے موجود اصلی سے مستعار ہو جس کا وجود عرضی و مستعار نہو پھر جیسے آفتاب سے گو ہزارہا جگہ دھوپ پھیلے پر سب کی سب ایک ہی آفتاب کا فیض ہے یوں یقین کرنا چاہیئے کہ تمام عالم کا وجود بھی ایک موجود حقیقی و اصلی کا پرتو ہے اسی کو ہم خدا سمجھتے ہیں۔ اور اسی کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں تعدد کی گنجائش نہیں۔

اب یہاں پہونچکر آپ شاید بول اُٹھیں کہ ہم نے مانا کہ موجودات کے وجود میں باہم اسطرحکا فرق نہیں جیسے دھوپ اور چاند کی چاندنی میں جس کا وجود ایسا ہی یکساں نظر آتا ہے۔ جیسے اس میدان کی دھوپ اور اس میدان کی جس طرح ہر جگہ کی دھوپ کو خواہ وہ میدان وسیع اور جنگل میں ہو یا صحن مکان میں دھوپ ہی کہا جاتا ہے اسی طرح ہر چیز کے وجود کا نام بھی خواہ وہ زمین و آسمان کا ہو یا چاند سورج کا یا انسان و حیوان کا وہی وجود رہتا ہے لیکن اگر فرض کریں کہ آسمان پر ایسے ایسے کئی آفتاب ہوں تو جس طور پر بہت سے ستاروں کا نور ملکر رات کو یکساں

نظر آتا ہے بالیقین ان آفتابوں کا نور بھی ملکر یکساں نظر آئیگا پس اگر عالم کے واسطے کئی صانع ہوں اور سب کے وجود کا پرتو ملکر اسی طرح یکساں دکھائی دیتا ہو تو کیا بعید ہے۔

اس شبہ کا جواب اوّل تو وہی ہے جو اس تقریر کے شروع میں معلوم ہو چکا کہ جس کارخانہ کو دیکھیے وہ کسی ایک چیز پر منقطع ہوتا ہے اور جس سلسلہ کو دیکھیے کسی ایک پر منتہی ہو جاتا ہے چنانچہ دہوپوں کا آفتاب پر سلسلہ اعداد کا ایک پر موجوں کے قصّہ کا پانی پر تمام ہونا اور چند مثالیں ان کے سوا پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہاں میں جتنے پھیلاؤ ہیں وہ کسی ایک شئے کی طرف سمٹے چلے جاتے ہیں۔

اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ پانی اور آفتاب وغیرہ اشیاء مذکورہ کی وحدت (یعنی ایک ہونیکی صفت) بھی منجملہ موجودات کے ایک شئے موجود ہے اور ان اشیاء میں وحدت کا وجود بھی عارضی طور پر ہے کیونکہ آفتاب اور پانی وغیرہ کے بہت سے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اگر ان کی وحدت اصلی اور ذاتی ہوتی تو وہ ان سے کسی طرح زائل نہ ہو سکتی یعنی نہ اُن میں تقسیم جاری ہوتی اور نہ کثرت کی کسی نہج گنجائش نکل سکتی۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جیسا عالم کا وجود عارضی ہے۔ وحدت بھی اس کی عارضی ہوگی۔ اور یہ وحدت بھی اسی موجود اصلی کا فیض ہوگا جسکا فیض خود وجود عالم ہے اور اس کی وحدت بھی اسی طرح اصلی ہونی چاہیئے جس طرح اُس کا وجود اصلی ہے۔

اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسا کہ وحدت اقسام وجود میں سے ہے، ایسی ہی کثرت بھی ہے اور عالم کا ہر قسم کا وجود عارضی ٹھہرا اور خدا کے وجود کا پرتو ہوا تو لازم آئے گا کہ وصف کثرت بھی خدا کے اندر پایا جاوے اور اس کے واسطے وصف اصلی اور ذاتی ہو۔ لیکن یہ مغالطہ تمہارا اس وجہ سے لگا کہ وحدۃ کے مانند کثرت کو بھی تم نے اقسام وجود میں شمار کر لیا حالانکہ کثرت کا مبنی عدم پر ہے۔

دیکھو ہم جانتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شے واحد ہے لیکن اگر کسی دیوار میں ایک مکان کے دو روشندان برابر برابر ہوں تو درمیان میں اندھیرا ہونیکی وجہ سے ہر روشندان کا نور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوگا غرض یہ کثرت اندھیرے کے سبب سے معلوم ہوتی ہے اگر ادھر ادھر نور اور بیچ میں اندھیرا نہو مثلاً دیوار کو مکان میں سے اٹھا ڈالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائیگا اور یہ فرق و امتیاز اور تعدد جس کا نام کثرت ہے ذرا باقی نہ رہیگا اب چونکہ اندھیرا نور کے نہونیکو کہتے ہیں اور نہونا ہی عدم ہے تو معلوم ہوا کہ کثرت عدم کے باعث پیدا ہوئی ہے وجود کے اقسام میں سے نہیں

بہرکیف اس تقریر سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو اوصاف وجودی ہیں اور عالم میں پائے جاتے ہیں وہ ضرور ہیں کہ خدائے تعالیٰ میں بھی ہوں اور جو اوصاف عدمی ہیں وہ لازم ہے کہ خدا میں نہوں اور یہ ثابت ہوا کہ جو موجود اصلی ہوگا اس میں کسی قسم کی تقسیم کی گنجائش نہوگی ورنہ وحدت جو اوصاف وجود میں سے ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اس میں اصلی نہ رہے گی۔ حالانکہ یہ محال ہے کہ وجود تو اس کا اصلی ہو اور سب قسم کا وجود مخلوقات کو اس سے پہونچے اور ہر طرح کے وجود کا منبع اور معدن ہو اور پھر اس میں بعض انواع وجود کے اصلی نہوں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود اس کا عین ذات ہے اور ذات اس کی عین اوصاف ہے اور اوصاف اس کے عین وجود ہیں ورنہ وحدۃ اصلی اور موجودیۃ ذاتی باقی نہیں رہ سکتی۔

اس وقت گو میں تسلیم کرتا ہوں کہ جو شبہ تمکو تعدد صانع کے متعلق پیش آیا تہا اس کا حل کافی حد تک ہوگیا ہے بلکہ اس کے ضمن میں اور بہت سی گران قدر فوائد بھی اختصار کیساتھ حاصل ہو گئے لیکن میری یہ رائے ہے کہ ابھی اس مضمون کی کچھ اور تشریح کروں اور توحید کے بارے میں جو کچھ بھی شبہات ہوں انکو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالوں بگوش ہوش سنیئے میں کہتا ہوں کہ اگر کم از کم دو صانع ایجاد عالم میں شریک ہونگے تو وہ دونوں جیسا کہ صانع

ہونے اور موجود اصلی ہونے میں شریک ہوں گے ایسے ہی کسی نہ کسی امر میں علیحدہ بھی ہوں گے کیونکہ جہاں اشتراک کیساتھ تعدد پایا جائے تو وہاں لازمی بات ہے کہ کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بھی سمجھا جائے مثلاً دو آدمی باوجودیکہ آدمیت میں شریک ہیں مگر بعض اوصاف میں مختلف بھی ہیں جیساکہ شکل وصورت قدوقامت مکان وزمان رنگ وروپ خاصیت مزاج وغیرہ میں اگر یہ علیحدگی اور فرق نہو تو تعدد ہرگز نہو وہی ایک آدمی رہے اس وجہ سے ضروری قرار پایا کہ جو دو چیزیں کسی امر میں مشترک ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے اندر ایسے خصوصیات ہونی چاہئیں جو دوسری میں نہ پائے جائیں ان ہی خصوصیات کے مجموعہ کو ہم اپنی اصطلاح میں ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔

مگر ذات بے وجود کے معدوم محض ہے۔ کیونکہ دنیا کی ہر ایک چیز وجود کے ذریعہ سے ہی موجود کہلاتی ہے البتہ خود وجود کو اپنے موجود ہونے میں کسی دوسرے وجود کی حاجت نہیں اور یہ بالکل اسی طرح ہی جیساکہ ہر شے کو اپنے روشن ہونے میں نور کی حاجت ہی ...... مگر خود نور کو اپنے نورانیت میں دوسرے نور کی حاجت نہیں اب اگر دو یا کئی صانع ہوں اور وہ دونوں وجود میں اشتراک رکھتے ہیں تو ان دونوں کی ذات (یعنی وہ خصوصیات خاصہ جن سے ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہی) وجود کے ماسوا کوئی اور چیز ہوگی اور چونکہ وجود کے سوا سب چیزیں اصل سے معدوم ہیں اسلئے ہر ایک خدائی حد ذاتہ وجود سے بالکل خالی ہوگا اور انپر وجود اسی طرح عارض ہوگا جس طرح زمین وآسمان وغیرہ سب چیزیں جو فی نفسہ تاریک اور مظلم تھیں مگر آفتاب کے نور نے ان سب کو روشن کردیا اس صورت میں ہم دونوں خداؤں کو کسی طرح موجود اصلی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دونوں بھی کسی ایسے موجود اصلی کے محتاج ہونگے جسکا وجود خود اسکی ذات کے اندر داخل ہو اور ہمارا مقصد بھی توحید سے صرف اتنا ہی تھا

کہ موجودات کا سلسلہ ایک موجود اصلی پر ختم ہوتا ہے چنانچہ یہ بات اس تقریر سے بخوبی حاصل ہو گئی۔

کیونکہ جب موجودات دو خداؤں سے مثلاً پیدا ہوئے اور وہ دونوں ایک موجود اصلی میں شریک اور اصلی سے معدوم ٹھہرے تو یہ معنی ہوئے کہ موجود اصلی کا فیض ان دونوں کے واسطے سے اوروں کو پہنچتا ہے جیسے پرنالہ کے وسیلے سے چھت کا پانی نیچے آتا ہے اور آتشی شیشہ کے طفیل سے آفتاب کی سوزش دوسری چیزوں کو پہونچتی ہے اور قلعی دار آئینہ کے صدقے سے آفتاب کا نور ان در و دیوار کو پہونچتا ہے جو آفتاب کے مقابل نہیں ہوتے ان تمام صورتوں میں سب کو معلوم ہے کہ چھت کا پانی پرنالہ کی راہ سے آتا ہے پرنالہ سے پیدا نہیں ہوتا آفتاب کی سوزش آتشی شیشہ کی راہ سے آتی ہے آتشی شیشہ میں کچھ حرارت نہیں۔ آفتاب کا نور آئینہ کی راہ سے اور اشیاء کو پہنچتا ہے آئینہ میں ذرہ برابر نور نہیں تو اسی طرح اگر بہت سے موجود اصلی اور بکثرت صانع موجود ہوں تو توحید میں کچھ رخنہ نہیں پڑ سکتا بلکہ اور بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

کیونکہ فلک اور زمانہ جو باعتبار شہرت کے وقائع عالم کا فاعل گنا جاتا ہے یا انسان و حیوان وغیرہ جو ظاہر بینوں کو افعال اختیاریہ کے خالق معلوم ہوتے ہیں یا دوا اور دعا وغیرہ جو بہ نسبت اپنی تاثیروں کے موثر حقیقی سمجھے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اس وقت بحیثیت اپنے فیوض کے وسیلہ فیض اور واسطۂ ایجاد سمجھی جائیگی اور انکے خالق ہونے کا شبہ جو بعض ظاہر پرستوں کو پڑا ہوا ہے بے محنت حل ہو جائیگا اور اس وقت ہم باواز دہل یہ ندا دیسکیں گے کہ ماسوا خالق بزرگ کے جو چیزیں ظاہر میں مصدر افعال یا مصدر تاثیرات نظر پڑتی ہیں وہ سب خدائے اکبر کے سامنے ایک کاریگر کے آلات کی طرح ہیں بادی النظر میں ان چیزوں سے کام ہوتا ہے اور حقیقت میں خدا کرتا ہے اعلیٰ طبقہ کے حضرات جیسے نبی ہوں یا ولی اور ادنیٰ درجہ کے

مثلاً دیو ہوں یا پری آثار ہوں یا فلک دوار۔ دوا ہو یا دعا پتھر ہو یا کوئی جاندار چیز زمانہ ہو یا مکان چاند ہو یا سورج ستارے ہوں یا اور کچھ سب کے سب خدا کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑھئی کے سامنے بسولہ نہانی برما وغیرہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ بے ہلائے اُس کے نہیں ہلتے اور بغیر اُس کی مرضی کے کوئی کام نہیں کر سکتے۔

اور اس سارے سلسلہ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کلوں کے کارخانوں اور گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی کام لینا منظور ہوتا ہے اول کل کو ہلاتے ہیں اور سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ اخیر کی کل سے ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود نہیں ہلتیں کیونکہ وہ بےحس و حرکت جمادات میں سے ہیں اُنکے واسطے جب تک کوئی ذی عقل اور صاحب ارادہ کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلیگا۔ اسی طرح سلسلہ عالم کیواسطے علۃ العلل اور فاعل حقیقی ایک خدائے تعالیٰ ہے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل اور حقیر سے حقیر چیز بھی اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور کسی شئے کو اس کی سطوت اور حکومت کے آگے دم مارنیکی مجال نہیں جو کچھ وہ چاہے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کر سکتا اور مقرب سے مقرب بندے بھی اس کے دربار میں بغیر اس کی اجازت کے لب نہیں ہلا سکتے یہی وہ عقیدہ ہے جس کی طرف اسلام نے نہایت زور شور کے ساتھ دعوت دی ہے یہی خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اسی مضمون کی اشاعت تمام انبیا کی بعثت کا مقصد اولین ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دُنیا کے تمام مذاہب میں توحید کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہے اور جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم موجود ہے وہ بھی توحید کے بالکلیہ ترک کرنے پڑتی

نہیں ہوتے بلکہ توحید کے چھوڑنے سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کیساتھ جمع کر لیا جاوے اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہی کیوں نہو۔ لیکن یہ عزت خاص مذہب اسلام کو حاصل ہے۔ کہ اُس نے بالکل خالص اور بے لوث توحید کیطرف لوگوں کو رجوع کیا اور شرک جلی یا خفی کا تسمہ باقی لگا نہیں رکھا اس جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں جبکہ دنیا میں خالص توحید سے بڑھکر کوئی گناہ نہ تھا ہزاروں بندگان خدا کو توحید سے مانوس بنادیا اور آجتک کروڑہا کروڑ انسانوں کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی ظلمتوں او کدورتوں کو دھو ڈالا۔

کیا اسلام کی اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ اس قوم کی توحید کر سکتی ہے جس نے خدا کے سوا ہر اینٹ پتھر کے سامنے گردن ڈالدی اور آگ پانی وغیرہ کو بھی قابل پرستش سمجھا اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتوں کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کر لیا۔ یا اُس قوم کی جن کے خدا کی تکمیل مادہ اور روح سے ہوتی ہے ان کا کمزور خدا ان دونوں کے منشار کے خلاف نہ کبھی کوئی کارروائی کر سکتا ہے اور نہ اُن سے بگاڑ کر ایکدم اپنی خدائی کو قائم رکھ سکتا ہے۔ یا اُس قوم کی جنکا مثلث خدا اپنی کرسی عظمت سے اتر کر تمام انسانی حوائج اور بشری خصوصیات کا محکوم بنا اور بنی آدم کی خطائیں معاف کرنے کے واسطے اُس کو سخت تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یا اُس قوم کی جنکا خدا خلقت کے بے سوچے سمجھے پیدا کرنے پر سخت نادم ہوا اور دُنیا میں طوفان آجانے سے اُسے بیحد ملول ہونا پڑا یہانتک کہ روتے روتے اُن کی آنکھیں سوج گئیں اور ملائکہ کو اُس کی عیادت کرنی پڑی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب اُس کی کشتی ہوئی تو انہوں نے اُس کو زمین پر پٹک دیا۔

کیوں منصفو! کیا ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ آج صحیح اور مکمل توحید اُن میں سے کسی مذہب

کی بدولت دنیا میں نظر آرہی ہے۔

نبوت

ان تمام مراحل کے بعد جو ہم نے یہاں تک طے کئے ہیں سب سے زیادہ ضروری اور معرکۃ الآرا بحث جو باقی رہ جاتی ہے وہ نبوت کی بحث ہے اور افسوس کہ جس قدر وقت اس بحث کیلئے درکار ہے اس کا عشر عشیر بھی ہمارے پاس موجود نہیں لیکن اسپر بھی ہم نے یہ کسی حال میں مناسب نہیں سمجھا کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن اعظم کو بالکلیہ قلم انداز کر دیا جاوے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہاں پر ایک اجمالی بحث اس کے متعلق لکھکر تفصیل تام کو اسی ضخیم کتاب کے اوپر اٹھا رکھیں جس کی اُمید ہم پہلے دلا چکے ہیں۔ تاکہ ہمارے سامعین کے دلوں میں اگر کوئی گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہو تو وہ اس سے اپنی تسکین کر لیں۔

نبوت کا عقدہ حل ہونے سے پہلے ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ اسباب اطاعت پر غور کرے۔ یعنی یہ کہ ایک آدمی کی اطاعت دوسرے پر عقلاً کن حالتوں میں اور کن وجوہات سے ضروری سمجھی جاتی ہے اس بارے میں جہانتک تامل سے کام لیا گیا کل تین سبب اس کے متعین ہوئے۔ جلب منفعت۔ دفع مضرت اور عشق و محبت چنانچہ نوکر اپنے آقا کی اطاعت ملازمت کی اُمید پر اور رعیت اپنے حاکم کے اندیشہ تکالیف سے اور عاشق اپنے محبوب کے تقاضائے محبت کرتا ہے اور اطاعت کی کوئی ایک فرد بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ان تینوں وجوہات سے خالی ہو۔

اب اگر یہ تینوں سبب فرض کرو کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تو فطرت انسانی یقیناً اس کی خدمت و اطاعت کو فرض عین قرار دے گی پس جبکہ پچھلے اوراق

بس حق تعالےٰ شانہ کی نسبت مدلل طریقہ سے یہ طے ہو چکا ہے کہ دنیا کے تمام کام اسی کے ارادہ اور اختیار سے انجام پاتے ہیں اور ہر قسم کی داد و ستد سلب و عطا اور نفع و ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کا کمال اور حسن و خوبی اسی کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کے سوا کوئی عالم کا مربی اور محسن بھی نہیں ہے تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسے خدا کی عبادت سے سر مو انحراف جائز نہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اسی کی خدمت گذاری میں آدمی مصروف رہے اسی کا ہر دم دھیان رکھے اور اسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے جیئے تو اسی کے نام پر جیئے اور مرے تو اسی کا کلمہ پڑھتا مرے۔ غرض کسی حالت میں اس سے جدا نہووے اور ظاہر و باطن میں اسی کا تابع فرمان رہے۔

باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اس کی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اس کا وجود ہر طرح پر عظمت اور کامل اور مکمل ہے ہماری ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اسی کو ہے اور وہ ہمارا حاکم ہم محکوم ہیں اس میں اعلیٰ درجہ کی شان محبوبیت موجود ہے اور ظاہری فرمانبرداری وہ افعال و حرکات ہیں جن سے ہمارے انہیں اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سراغ ملتا ہو اور خدا کی محبوبیت کا خیال ان سے مترشح ہوتا ہو۔

مثلاً خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کی خاص تجلی گاہ کی طرف ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا اس سے اپنے حال کے متعلق عرض معروض کرنا ادہر سے حکم آجانے پر سر نیاز جھکا دینا اور اس کے آستانہ پر اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھکر ناک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیت اور آداب شاہی کے قائم مقام ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے مال و دولت کو خدا کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنا اور ہر آمد و صرف میں اس کے حکم کا منتظر رہنا یہ بھی سراپا

اطاعت ہونے کے لوازمات میں سے ہے۔

پھر اگر خدائے تعالیٰ کو محبوب حقیقی سمجھا ہو تو اس کے قرب و وصل کی فکر میں ہر ایک ماسوا رسے بیزار ہو جانا آب و طعام اور لذت جماع کو (جو کہ خلاصہ تمام کائنات کا ہی) ترک کر دینا اس کے بعد تجلی گاہ ربانی کی طرف پا برہنہ سر برہنہ لبیک کہتے ہوئے دوڑنا اور وہاں پہونچکر کبھی حالت شوق و وجد میں اس تجلی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں میں بخستگی پھرنا کبھی دشمن محبوب کے خاص مکان پر سنگ باری کرنا اور کبھی جان و مال سے فدا ہونے کیلئے طیار رہنا یہ سب محبت قلبی کی علامات اور عشق حقیقی کے ظاہری نشانات ہوگئے

الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہی کہ دل سے زبان سے ہاتھ پاؤں سے جس طرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف متوجہ رہے اور ہرگز اپنا روئے نیاز دوسری جانب نہ پھیرے لیکن سخت مشکل یہ تھی کہ کسی کی اطاعت بغیر اس کے متصور نہیں کہ ہمکو اس کی پسندیدہ اور ناپسندہ باتوں کا علم ہو اور خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش اور کن امور سے ناخوش ہوتا ہی ہر شخص کی قدرت سے باہر تہا کیونکہ محض اپنی عقل سے اگر ہم نے چند احکام معلوم کر لیئے تو اول تو تمام احکام کی تفصیل اس سے معلوم نہیں ہو سکتی دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ شانہ ہماری عقل کا ہرگز ہیں پابند بھی نہیں ہو سکتا اس بنا پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت و عبادت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خود خدائے برتر اپنی رضا و عدم رضا سے بندوں کو مطلع فرمائے۔

اور یہ خوب معلوم ہی کہ جب سلاطین دنیا اس تھوڑی سی نخوت و تکبر اور ذرا سے جھوٹے استغنا پر ہر دوکان۔ دوکان اور مکان مکان اپنے احکام سناتے نہیں پھرتے اور نہ انکو یہ گوارا ہی کہ ہر کس و ناکس کو اپنے مافی الضمیر کی اطلاع کیواسطے ہمکلامی بخشیں تو کیا وہ احکم الحاکمین

ورا الورا ثم ورا الورا جسکو تمام عالم سے بالکل استغنا اور سب چیزوں کو اس کی احتیاج ہی ہر ایک عام و خاص اور ہر ایک رندو بازاری کو منہ لگانا اور اپنی حضوری کی ہمکلامی سے باریاب فرمانا پسند فرمائیگا جب ایسا نہیں تو بیشک خدا کے یہاں بھی کچھ لوگ ایسے خاص ہوں گے جیسے بادشاہوں کے یہاں وزیر یا نائب السلطنت یا وائسرائے اور جیسا کہ تمام سرکاری احکام رعایا کے پاس انہیں صاحبوں کے توسط سے پہونچتے ہیں ایسے ہی خدا کے پیام اور اوامر و نواہی ان معتمدین کے ذریعہ سے ہم تک موصول ہونگے ہم انہیں معتمدین کو انبیاء رسول اور پیغمبر کہتے ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے کہ جس زمانہ میں خدائے تعالیٰ سمجھتا ہے ایسے رسولوں کو اس زمانہ کے مناسب ہدایات دیکر مبعوث فرما دیتا ہے۔

بہائیز تمکو شاید یہ شبہ گذرے کہ مختلف قرنوں میں جب انبیاء علیہم السلام تشریف لاوینگے اور ظاہر ہو کہ ان میں سے مؤخر کی شریعت مقدم کی شریعت کے واسطے ناسخ ہوگی تو وہم یہ ہوتا ہے کہ

. . . .

پہلے نبی کے بھیجنے میں شاید خدائے تعالیٰ سے کچھ سہو ہوگیا تھا یا بھول چوک سے اُس کو مناسب احکام دیئے تھے جو دوسرے نبی کے ذریعہ سے اس غلطی کی اصلاح کرائی گئی مگر یہ شبہ آپ کا سراسر کم فہمی اور نادانی پر مبنی ہے نُسخ کے معنی صرف تبدیل احکام کے ہیں یہ آگے آپ کا قیاس ہے کہ وہ تبدیلی پہلی غلطی کی اصلاح کی وجہ واقع ہوئی ہوگی۔

خدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے۔

آپنے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب اگر کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے

پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ چند روز بعد وہ نسخہ بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اس سے منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہو گئی تھی جسکی مکافات وہ دوسرے نسخہ سے کر رہا ہے جب یہاں آپنے ایسا نہیں سمجھا تو خدا تعالیٰ کے کے معاملہ میں آپ کو کس چیز مجبور کیا ہے کہ باوجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کریں کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کر کے اس کے موافق مختلف احکام جاری کر دیے ہیں، اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں باقی یہ خلجان کہ کیا خدائے برتر اس پر قادر نہ تھا کہ ابتدائے عالم میں ہی کوئی ایسی مکمل کتاب ہدایت کیلیئے نازل فرما دیتا جس میں ہر زمانہ کے تغیرات کی رعایت کرلیجاتی اور اس کی حاجت نہ رہتی کہ بار بار وہ اپنے سچے الہام میں دست اندازی کرے اس کی بابت میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک خدا اگر اس پر قادر تھا تو کیا اس پر قادر نہ تھا کہ بغیر نطفہ اور خون بننے۔ رحم مادر میں پرورش پانے اور بتدریج نشو و نما کرنے کے ایک کامل و مکمل انسان دفعتہً پیدا کر دیتا (جیسا کہ آریہ سماج اپنے چار رشیوں کی نسبت کہتے ہیں) یا بغیر تخم ریزی اور آبپاشی وغیرہ سامان زراعت کے خود بخود تمام نباتات کو زمین سے اگا دیتا ہے۔ اگر اس نے باوجود قدرت کے ان جسمانیات میں (نعوذ باللہ) یہ دردسری اٹھائی تو روحانیات میں بھی اس کو اپنی اسی عادت سے معذور سمجھنا چاہیئے اور اگر وہاں اس تدریجی ترقی میں کچھ خاص حکمتیں اور مصلحتیں متعلق ہو سکتی ہیں تو یہاں اسی قسم کی مصلحتوں کا لحاظ کرنیسے کون چیز مانع ہے۔

بہر کیف اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ عین حکمت اور رحمت ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ان مختلفہ تخم ہائے اخلاق کے (جو ازل سے قلوب بنی آدم کی زمینوں میں ڈالدیئے گئے ہیں۔ تربیت اور نشو و نما کیواسطے اپنی رحمت کے بادل بھیجے اور بادلوں کے برسنے سے جس زمین میں

جیسا کچھ اچھا یا برا بیج بویا گیا ہی۔ اس کو ترقی اور نشوونما حاصل ہو وہ ابرہائے رحمت جیسا کہ بلالؓ اور سلمانؓ کے کھیتوں کو سرسبز و شاداب کریں ایسے ابوجہل وغیرہ کے دلوں میں جو کفر و شقاوت کا بیج بکھیرا گیا ہے اُس میں بھی جان تازہ ڈالدیں اُن ہی سحابہائے معارف کو انبیا کہا جاتا ہے اُن کے اثر کو تقویت پہونچانے والوں کا نام ملائکہ ہی اور انکی تدابیر کی رہزنی کرنیوالوں کو شیاطین کا لقب دیا جاتا ہے۔

ملائکہ اور شیاطین

ملائکہ اور شیاطین کا لفظ سُنکر بعض منکرین کو شاید پھر غصہ آجائے اور وہ اس قصور پر کہ ہم نے ان کے نزدیک چند فرضی چیزوں کا نام لے دیا ہی کہیں ہمارے تمام سابق بیانات کو واقعیت سے دور نہ سمجھ بیٹھیں اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہی کہ ان دونوں لفظوں کی بھی کچھ مختصر تشریح کردی جائے۔

یہ خوب یاد رہے کہ باجماع اہل عقل جسم انسان کی ترکیب چند ایسے مختلف عنصروں سے دی گئی ہی۔ جن میں سے ایک عنصر کی تاثیر دوسرے کے مخالف اور متضاد ہی مثلاً بدن انسان میں گرمی کے آثار پائے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ اس کے قوام میں کوئی حصہ آگ کا موجود ہی اور سردی کی کیفیات محسوس ہونے سے جزو ہوائی کا تیقن ہوتا ہے اور خشکی سے جزو خاکی کا ثبوت اور تری سے جزو آبی کا پتہ چلتا ہے گویا کہ مٹی پانی۔ ہوا اور آگ میں سے ہر ایک کا بقدر مناسب حصہ لیکر جسم کا خمیر بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد جب حکما نے دیکھا کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے اس میں یہ چاروں اجزا ضرور ملے ہوئے ہوتے ہیں تو انہوں نے ایسے چار خزانوں کا کھوج لگایا جن میں یہ چاروں چیزیں الگ الگ

بافراط موجود ہوں اور جن میں سے تھوڑا تھوڑا لیکر خدائے تعالیٰ نے آدم کے جسم کو ترکیب دیا ہو۔ اس قسم کے چار خزانوں کے نام انھوں نے کرہ ارض کرہ ہوا کرہ نار تجویز کیا ہی اور ان میں سے ایک ایک کو حرارت برودت۔ رطوبت۔ یبوست کا منبع اور معدن قرار دیا۔

ٹھیک اسی طرح روح انسان کی ترکیب اور اُس کا امتزاج ایسے دو متضاد اور معارض اجزا سے واقع ہوا ہی جسکی بنا پر انسان کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہی اور کبھی بدی کی طرف اُس کی رغبت ہوتی ہی کیونکہ جس طرح کسی نے خدائے تعالیٰ کو آدم کا خمیر بناتے نہیں دیکھا بلکہ صرف یہ سمجھکر کہ رطوبت اور یبوست مثلاً دو متضاد اثر ایک ہی چیز سے پیدا نہیں ہوتے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ یقیناً جسم کی ترکیب آب و خاک وغیرہ سے ہوئی ہے اسی طرح طاعت و معصیت کی طرف میلان جو ایک ہی آدمی سے متفرق اوقات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اس کے بغیر جوڑ نہیں کھاتا کہ روح کی ترکیب بھی دو مختلف قسم کی اشیاء سے مانی جاوے۔

اور جب یہ ہی تو جیسا کہ عناصر جسم کے لیے علیحدہ علیحدہ چار مخزن تسلیم کر لئے گئے تھے ایسا ہی ان دونوں روحانی جزوں کے واسطے بھی مخلوقات میں دو مخزن مان لئے جاویں تو کیا ستبعاد ہے پس خدا کی وہ مخلوق جس میں ہمیشہ امور خیر اور نیکی ہی کی طرف توجہ پائی جاوے اور اُن کا طبعی اقتضا طاعت ہی ہو اور اُن کی صرف یہی شان ہو کہ لایعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون اسی مخلوق کو ہم ملائکہ اور فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور اُن کے مقابلہ میں وہ گروہ جسکی طبیعت میں معصیت ہی معصیت رکھی ہو اور اطاعت و عبادت سے اسکا پیمانہ بالکل خالی ہو اور اس کی حالت محض وکان الشیطان لربہ کفورا ہی سے ادا کیجا سکتی ہو ایسے گروہ کو ہم شیاطین کا لقب دیتے ہیں۔

اس پر بھی اگر ہم سے کوئی مہربان آریہ دریافت کریں کہ گو عقلی دلائل سے ایسی چیزوں کا وجود ثابت ہو سکتا ہے مگر ہم نے اور کسی نے آجتک اُن کو نہیں دیکھا اور رجماً بالغیب ایمان لانیکو ہمارا دل گوارا نہیں تو ہم ان حضرات کی خدمت میں باادب گزارش کرینگے کہ آپ نے وہ تین حصہ بذات خود روشن دُنیا کے جو ہماری دُنیا سے بالکل علیحدہ ہیں۔ اور جن کا ذکر یجر وید کے تیسرے منتر میں موجود ہے کب اور کس وقت اور کس جگہ مشاہدہ کئے ہیں اور اگر کئے ہیں تو کیا آپ دوسرے لوگوں کو انکا مشاہدہ کرانیکے لئے تیار ہیں دیکھئے اب آپ خود اس منتر کا ترجمہ بھاشیہ بھومکا صفحہ ۸۰ میں ملاحظہ فرمایئے کہ "گذشتہ و آیندہ موجودہ جس قدر کائنات ہے اس سب کو اسی پرش کے مہما یعنی عظمت کا نشان سمجھنا چاہئے یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ محدود کائنات کو اس کی عظمت کا نشان بنانے سے اسکی عظمت محدود ہو جاتی ہے اس کا جواب اسی منتر میں آگے دیتے ہیں کہ۔ اس کی عظمت اسپر محدود نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور غیر محدود ہے پرکرتی سے لیکر زمین تک تمام (لطیف وکثیف) کائنات اس غیر متناہی قدرت والے ایشور کے ایک پہلو میں قائم ہے اُسی کی ذات پرنور میں امرت (عالم عرفانی یا موکش کا سکھ) موجود ہے یعنی تین حصہ کائنات عالم لطیف و روشن میں موجود ہے گویا غیر روشن دُنیا ایک حصہ ہے اور بذات خود روشن دُنیا اس سے تگنی ہے اور وہ ایشور عین راحت موکش سوروپ حاکم کل معبود کل عین مسرت اور سب کو روشن و منور کرنیوالا ہے"۔ اس عبارت کے سُننے کے بعد بھی کیا ہندوستان کی پُر جوش سوسائٹی کا کوئی ممبر جن و ملک یا بہشت و دوزخ کے وجود سے انکار کر سکیگا۔

نبی کی علامات

منکرین کے شبہات کا حل کرنے میں چونکہ اب ہم اپنے اصلی مقصد سے دور نکل گئے ہیں اس ہمکو اسی طرف پھر عود کرنا چاہیئے اور یہ بتلانا چاہیئے کہ کسی شخص کو رسول برحق ماننا کن شرائط پر موقوف ہی آیا جو کوئی بھی دعویٰ نبوۃ زبان سے کرنے لگے یا جو کوئی بھی دُنیا کو چند عجیب وغریب تماشے دکھلادے یا جو کوئی بھی دو چار ہزار مرید جمع کرلے اسی کو ہم نبی اور پیغمبر مان لیں یا نبوت کیواسطے کوئی معیار ایسا تجویز کیا گیا ہی جس کے ذریعے سے ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کیا جاسکے رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دہوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہو۔

بلاشبہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوا ہی کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد اسکے وکیل اس کے رازدار اور اُس کے نائب ہیں تو اُن کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے باخبر شہنشاہ اعظم کا قرب حاصل کرنیکے لئے درکار ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دُنیا بھی جنکو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو نہیں بٹھلاتے جو بے عقل۔ کج خلق پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں۔ چہ جائیکہ خدائے برتر اپنے منصب وزرات کے لیئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جنکی اخلاقی حالت نہایت پست عملی حیثیت نہایت ذلیل اور عقلی قوتیں نہایت کمزور ہوں وہ بجائے ھدایت پھیلانیکے گمراہ کرنے میں زیادہ مشتاق ہوں اور لوگوں سے بمقابلہ خدا کی عبادت کرانے کے اپنی پرستش کے زیادہ متمنی ہوں اگر نعوذ باللہ خدائے عزوجل ایسا کرے تو یوں کہو کہ وہ خدا بالکل سفید اور جاہل یا بندوں سے عداوت رکھنے والا ہی جسکو اتنی بھی خبر نہیں ہے کہ میں جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہوں وہ اُس کی اہلیت نہیں رکھتا؛

تو اس صورت میں یہ واجب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اولاً توحید کی محبت اور اخلاص اسدرجہ ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجائش ہی نہ نکلے دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں انکے اندر فطرتی طور پر راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وہ کریں قابل اقتدار اور جو فعل بھی اُن سے سرزد ہو باعث ہدایت سمجھا جائے تیسرے یہ کہ فہم و فراست اُن اینتوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہو کیونکہ کم فہمی فی نفسہ عیب ہونیکے علاوہ اس وجہ سے بھی اُن کے حق میں مضر ہے کہ کلام خداوندی کے اسرار غامضہ کا سمجھنا اور دقیق علل پر مطلع ہونا اور ہر ایک زکی و غبی کو احکام الٰہی دلنشین طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصور ہی نہیں۔

یہی تین اصول ہیں جو ایک مدعی نبوت کی صداقت کا ہمکو ایک ایسے زمانہ میں پتہ دے سکتے ہیں جس میں کسی نبی کی بعثت کا احتمال ہو سکتا ہو باقی معجزات وہ اگرچہ اصل نبوت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدعی نبوت سے ان کا صادر ہونا بیشک اس کی راستبازی کی دلیل ہے کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے روبرو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں اُن سے کہوں گا۔ برابر وہ اسی کے موافق کرینگے اور جو فرمائش کرونگا اس کو پورا کرکے دکھلائیں گے یہ کہکر سلطان کو کھڑا ہونیکی طرف اشارہ کرے اور وہ کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ معاً بیٹھ جائیں اور اسی طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش ظاہر کرتا ہے اور وہ بھی ایک ذرہ اُس کا خلاف نہ کریں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرہ اور مزاج کے خلاف بھی ہوں تو کیا کسی جاہل اور معاند کو بھی ایسی حالت میں اس شخص کی دعوے کی تصدیق میں کچھ تردد رہے گا۔ اور کیا کوئی بیوقوف

بھی یہ حجت کرے گا کہ دعویٰ تو اُس کا محبوب اور معتمد ہونے کا تھا اور اس کے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے میں کوئی مناسبت نہیں اس لئے . . . . اس سے اس پر کوئی استدلال نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اس کے معتمد ہونیکا اقرار نہ کرے۔

ایسے ہی مہمل سے کہنا چاہیئے کہ تصدیق دعویٰ دو طرح پر ہوتی ہے ایک حالی اور ایک مقالی تو گو اس جگہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق جو اس سے بھی بڑھکر ہی حاصل ہو گئی یہی حال بعینہٖ انبیا علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہی کہ وہ اپنی نسبت خدا کا وزیر اور معتمد ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہ اُن کے دعویٰ کو سنتا ہے پھر وہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں تاکہ اُن کے دعویٰ کی سچائی دُنیا پر ظاہر ہو جاوے اور خدائے تعالیٰ برابر اُن کے حسب مدعا فرمائشوں کو پورا فرماتا رہتا ہی تو کیا منجانب اللہ یہ اُنکے دعویٰ کی حالی تصدیق نہیں ہوئی اور ظاہر ہی کہ جھوٹے آدمی کی تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے تو اس سے (اس مدعی کے کاذب ہونیکی صورت میں) خدائے برتر کا کذب ثابت ہوا (نعوذ باللہ منہ) حالانکہ خدائی تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً و عملاً کاذب ہونا محال ہے۔

اب اگر کسی کو یہ وہم گذرے کہ یہ سب تقریر اُس وقت قابل تسلیم ہے جبکہ معجزہ یا خوارق عادت کا وجود ممکن ہو حالانکہ اُس کا امکان ابھی محل تردد میں ہی تو میں کہتا ہوں کہ ہم معجزہ اُسی کو کہتے ہیں کہ جو عقلاً محال نہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلاف عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ عام عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک

خدا کی خاص عادت ہی جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہی اور جیسا کہ زید مثلاً ہمیشہ سے قمیض پہننے کا عادی ہو مگر عید کے روز ہمیشہ اچکن پہنا کرے تو گو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اس کی عادت میں داخل ہی اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خداوند تعالیٰ کی عام عادت ہی لیکن بعض مواقع میں جبکہ کسی نبی کی تصدیق یا اور کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو آگ سے وصف احراق سلب کر لینا بھی اس کی عادت ہی کیونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہی وہ خدا کی ارادہ سے ہے۔ وہ جب چاہے سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہی تو جب مشاہدہ سے یا نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعویٰ نبوت کا کیا اور بہت سے معجزات دکھلائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اُس کے کہنے کے خلاف نہوا تو بیشک و شبہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہیئے کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے تعالیٰ قولاً یا عملاً ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور وہ اگر ایسا کرے تو دین منجملہ رحمت نہوگا۔

مجھکو افسوس ہی کہ ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء کو معجزات کے ممکن الوقوع ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ وقوع کی صورت میں وہ ان کے نزدیک دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُن کو اب تک یہ معلوم نہیں ہوا کہ موسیٰ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بنجانے میں کیا تعلق پایا جاتا ہے جو ایک سے دوسرے پر استدلال ہو سکے

(فاعتبروا یا اولی الابصار)

میرا قصد تھا کہ اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھتا اور ان عقلاء کے خیالات

کی پوری جانچ کرتا مگر تنگیٔ وقت سے ہو کر اس مسئلہ کو بھی دوسرے مسائل کی طرح اسی کتاب موعود کے حوالہ کرتا ہوا خاص سرور کائنات آقائے نامدار اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم رسالت کے متعلق کچھ تھوڑا سا لکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت

اس بدیہی معیار رسالت کے مان لینے کے بعد جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہو جاتا ہے کیونکہ آپکے بیشمار علمی و عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولو العزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات ملکر آپکے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں۔ آپ کے فہم و اخلاق کا موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور چار دانگ عالم میں آپکی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دُنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے۔

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپکے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا اُن کی تعلیم سے اور آپ کی قوت و ہمت کا اُن کی قوت و ہمت سے مقابلہ کریگا تو یہی اُس کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ کی محض صداقت کا نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان و دل سے اقرار کرے۔ عرب کی جہالت درشت مزاجی گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اُن کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اُن کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پُوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کریں جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم

عمر گذار دیں ایسے جاہلوں اور خود سروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات علم معاملات علم عبادات علم اخلاق علم سیاست مدن میں رشک حکما بنا دیا یہانتک کہ دُنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکٹر لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام اس نبی اُمّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اُس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی۔ رام کیا اور اس درجہ پہنچایا کہ اُس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبیؐ اُمّی اپنی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔"

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال و دولت آپ نے جمع کر رکھا تھا نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلہ والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی ایسی بیکسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے اُن تندخو گنواروں کو ایک صدائے ناموس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھکر اُس وقت ساری دُنیا میں کوئی مکروہ آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ اُن کے نزدیک کوئی شخص اُنکا دُشمن اور بدخواہ سمجھا جاسکتا تھا یہ وہی لا الٰہ الا اللہ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتہً تمام عرب میں تہلکہ ڈالدیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوندگئی گویا وہ ایک زور شور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بُت پرستی کے بادل چھپ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی جس کی بوچھار نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اڑا دیئے

اور خدا کے گھر کو اُن کی زد سے بچالیا۔

غرضکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور چند عرصے میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنالیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کیلئے طیار ہو گئے گھر بار کو ترک کر دیا زن و فرزند سے بگاڑلی مال و دولت کو سنگ ریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا اپنے بیگانوں سے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے کسی کو آپ نے مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اسی حالت پر استقلال کے ساتھ جمے رہے یہانتک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذارسانی یا ہتک ناموس کو گوارا کیا یہ تسخیر اخلاق بتلایئے اس سے پہلے زمانہ میں بھی کسی سے ظاہر ہوئی ہے اس پر بھی اگر کوئی یہی کہے کہ نہیں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہی تو فی الواقع اس سے زیادہ کور چشم تنگ دل متعصب کوئی نہیں ہو سکتا۔ کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وہ اپنے اسلام کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان فارسیؓ سے جاکر ان کی داستان سنتے یا عبداللہ بن سلام کی خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ اُن کو اُس کا جواب سمجھاتے۔

مگر یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی باقی آپکے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے۔ کہ آپ بذات خود اُمّی محض۔ جس ملک میں پیدا ہوئے جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یک لخت خالی نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر اس پر ایسا دین ایسے آئین ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایات بینات لائے کہ آجتک

بڑے بڑے حکما اُس کا جواب نہیں لا سکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل و تہذیب نے اُس کی داد دی قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جسکا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دُنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کہہ رہا ہے یعنی یہ کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آجتک کسی کا حوصلہ نہوا اور نہو گا کہ اُس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثال بھی پیش کر سکے۔

اب میں اُس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات و اخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیے گئے تھے کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ انکے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربی عالم ہیں تو جسکا اعجاز علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہوگا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہیگا اس لئے اس کی کتاب کا بھی تا قیامت باقی رہنا ضروری ٹھہریگا۔ باقی قرآن کے سوا آپ کے جو اور علمی اور عملی معجزات ہیں ان کے بیان کی اس وقت بالکل گنجائش نہیں رہی۔ اور نہ میں قلت وقت کیوجہ سے توریت و انجیل وغیرہ کے بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل کر سکا جس کسی کو شوق ہو۔ اول مضمون کیواسطے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے حجۃ الاسلام اور دوسرے کے لئے علامہ ابن القیم کی ہدایۃ الحیاری کا مطالعہ کرے۔

البتہ اس اخیر موقع پر اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ آپکے بعد جو علوم و فنون دنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ سے پھیلے اور تمدن کے شعبوں کو ترقی ہوئی اس کا بھی قدرے اندازہ غیروں کی زبان سے ہم سامعین کو کرا دیں تاکہ جو لوگ مسلمانوں کو علم اور تمدن کا دشمن بتاتے ہیں اور پھر اس دشمنی کو اُن کی مذہبی تعلیمات کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ بھی اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری سے کچھ شرمائیں۔ ترقی علوم و فنون کے متعلق انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے جس کا خلاصہ نقل کرتا ہوں۔

دو ۷۴۹ء خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب و فنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور ۷۵۴ء کے ایام حکمرانی سے ہارون رشید ۷۸۶ء تک بڑی فیاضی سے اس کی تربیت ہوئی بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے اور پادشاہانہ سخاوت سے ان کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی اہل یونان و شام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر شائع اور مشتہر ہوئیں خلیفہ مامون نے سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینا اور ہمیشہ کیلئے صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجاوے کہ چند عرصہ کیلئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھا جاوے فلسفہ حاصل کرنے کیلئے ایسی زر خطیر صرف کرنیکی بہت کم مثال ملیگی۔ اس مامون کے زمانہ میں بغداد۔ بصرہ بخارا۔ اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ اور بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا اور وہ عموماً د   دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھانیوالے نظر آتے تھے فرانس اور ممالک فرنگستان کے جوق جوق طالب علم اندلس کو آنے لگے اور ریاضی و طب اون سے سیکھنے لگے اندلس میں چودہ ۱۴ مدرسے اور بڑے بڑے کتبخانے تھے جنمیں سے حاکم کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اس زمانہ

سے ملائی جاوے جو قبیل زمانہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے گذرا تو ثابت ہی کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے جغرافیہ تاریخ فلسفہ طب طبعیات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہی اور عربی الفاظ جو آجتک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں اور بہت سے ستاروں کے نام وغیر ذلک اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل و تصرف ہوا ہی مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا ایشیا، اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علی ہذا جغرافیہ میں پرانی عربی اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابو الفدا، ادریسی۔ لیو افریقانوس۔ ابن بطوطہ ابن فضلان۔ بن جبیر البیرونی المنجم اور اُن کی تحریریں اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں۔ علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مورخ جس کا حال ہمکو ملتا ہی محمد الکلبی ہی جو سنہ ۸۱۹ء میں گیا مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مورخ گذرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہاں کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا انہیں اول مسعودی۔ طبری۔ حمزہ۔ اصفہانی اور بطریق اسکندریہ (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہی) اس کے بعد ابو الفرج اور جارج المائقین (ہر دو عیسائی) اور ابو الفدا، وغیرہ ہیں۔ نویری نے جزیرہ سسقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی۔ بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جنمیں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہی فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابو القاسم قرطبی تمیمی وغیرہ کے متعدد کتابوں میں لکھے کسی کو اُن کے حالات دریافت کرنیکا زیادہ شوق ہو تو قطربیر کے تصنیفات خصوصاً وان ہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے۔

عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت ہے جو اوسط زمانہ کے معقولات کو عیسائیوں کے کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا۔ عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اس پر اُن کی بہت شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعے سے اس کی اشاعت ہوئی گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا منطق اور علم مابعد الطبیعہ پر زیادہ توجہ ہوئی اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں۔ الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا الفارابی جس نے ۹۵۲ء میں اصول میں کتاب لکھی۔ ابن سینا جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا اور تخصیص امراض و شناخت ادویات نے میں بڑی ترقی کی۔ ابن یحیی جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی الغزالی جس نے تہافتہ الفلاسفہ تصنیف کی ابوبکر بن طفیل جس نے اپنے حی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور آنیکا مسئلہ بیان کیا اور اس کا شاگرد ابن رشد جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا ان لوگوں کا اور انکے مسلک کا بیان شمول سدرس اور ڈُرٹر کی۔ کتابوں میں مفصل ملیگا بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے انکے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کر نیکو نیوست نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جنکو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے ملگئے تھے معجون بنانے کی کیمیائے ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی اور دواؤں کے کھر کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی اور مدرسہ سائرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا دواسازی اور قرابادین کیوجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی بعد تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تکمیل ہوتی رہی اور چند مدارس بغداد۔ اصفہان

فیروز آباد۔ بلخ۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اسکندریہ۔ قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہوگئے اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی اسکے استثنا کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے۔ علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے ہارون کندی ابن سینا جس نے قانون لکھا اور عرصے تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی۔

علی بن عباس۔ اسحاق بن سلیمان۔ ابوالقاسم اور روس جس نے طب کی تکمیل کی اور علی ابن عیسٰی وغیرہم ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبر والمقابلہ کو بڑی ترقی دی بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصد گاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا۔

الحسن نے علم مناظرہ دہرایا میں تصنیف کی اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا جبیر بن عقلا نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب موتی کو الہادی اور سیومیوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور دسویں صدی عیسوی میں البائن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن الجبر الثانی نے رفتار شمس کی دریافت کی البنز جیوش نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی اور ابوالحسن علی آلات علم ہیئت میں تصنیف کی" انتہی کلامہ۔

یہ حالت جو انسائیکلو پیڈیا کے ذریعے درج کی گئی مسلمانوں کے علم و فضل کے متعلق تھی۔ اب ان کے چند تمدنی خصوصیات کو سن لینا چاہیئے۔ فرانس کا مشہور و معروف محقق ڈاکٹر لیبان عربوں کی ملک گیری کی خصوصیات میں لکھتا ہے:"

یہ خلفاء راشدین جس خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق اُن کی سپاہ گری اور فن حرب کے تھی جسے انھوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا۔

شروع ہی سے انہیں ایسے اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف صورتوں میں

مختلف حکومتوں نے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا۔ جن کی حکومت میں انہیں بہت زیادہ آسائش تھی مفتوح اقوام کے ساتھ طریقہ کیا ہونا چاہیئے نہایت صاف و صریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا اور۔ خلفائے اسلام نے مُلک کے اغراض کے مقابل میں ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اس کے بجز اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے۔ وہ صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب اور رسوم داوضاع کی پوری طرح سے حرمت کیجاویگی۔

اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ ان سے ایک بہت تخفیف سا خراج لیتے تھے جو اس مطلوب کے مقابلہ میں جو ان اقوام کے پُرانے حکام اس سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ ان کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کے شرائط بھیجا کرتے تھے اور یہ شرائط جنکا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کے کرتے تھے جو عمرؓ نے سنہ ۱۶ھ میں باشندگان غزہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھا پیش کئے تھے اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں:۔

ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام نہ قبول کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم سے ملجاؤ اور ہمارے بھائی بنجاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہو جاؤ اس کے بعد ہم تم سے کوئی بُرائی نہ کریں گے لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو اس کے بعد تمہارے بدلے ہم تمام اُن لوگوں سے لڑینگے۔ جو تمہیں ستانا چاہیں یا

کسی طرح تمہارے دشمن ہوں اور ہم اپنے وعدہ پر مضبوط رہینگے اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی اور ہم تم سے اس وقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کریں۔"

بیت المقدس کی فتح کیوقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہمپر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کیساتھ داخل ہوئے اور آپنے سفرائینس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپکے ہمراہ چلے اسی وقت حضرت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور اُن کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہونگے۔

سب سے پہلا سلوک عمر رضی اللہ عنہ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا اُس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی پورا انصاف بلا رو رعایت اور جائداد کے ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہان یونانی ان سے وصول کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لگایا جائیگا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی رعایائے صوبہ جات نے اُن شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ عہد و پیمان میں شریک ہوگئے اور جزیہ کی رقم اُنھوں نے پیشگی ادا کر دی عمال اسلام اپنے عہد پر اس درجہ مستحکم رہے اور انھوں نے ان رعایا کیساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھ سے انواع و اقسام کے مظالم

سہا کرتے تھے اسطرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بکشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا۔ میں بار بار کہونگا کہ یہ وہ نتیجہ ہی کہ ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہوسکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کرسکیں۔

عربوں کی ملک گیری میں ایک خاص بات ہی جو اُن کے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی۔ اور اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا ہی) یا ترکوں وغیرہ نے ملک گیری کی ہے لیکن انھوں نے کبھی کوئی تمدن نہیں قائم کیا اور ان کی ساری ہمت اسی طرف مصروف رہی ہی کہ جہانتک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اٹھائیں برخلاف اس کے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور انھوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔

عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کے سے قدیم اقوام نے اُن کا دین اُن کا لباس اُن کا طرز معشیت بلکہ اُن کا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا عربوں کے بعد بہت سے اقوام نے انہیں خطوں پر حکومت کی ہی لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اس وقت تک اُن ملکوں میں باقی ہی کل ممالک ایشیا، و افریقہ میں مراکش سے لیکر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہونچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہی کہ اُن کا اثر اُن ملکوں میں ہمیشہ کیلیئے قائم ہوگیا ہی بہت سے نئے ملک گروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہی لیکن وہ ان سے عربونکا مذہب عربوں کی زبان کو ہرگز نہ مٹا سکے انتہی کلامہ

یہ شائستہ تمدن جس کا ذکر محقق موصوف نے کیا چند ہی روز میں دریائے سندھ سے اندلس تک پہونچگیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں جو ہزارہا معبودوں کا گھر تھا مسلمانوں

کے بابرکت قدم آئے اور انہوں نے اس ظلمتکدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا اور گویا بُت خانہ کے اندر مسجد بنادی ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے زلزلہ سے جہاں اور قومی عمارات گرنا شروع ہوئیں یہ مسجد بھی انہدام کے قریب آپہونچی اس پر ایک طرف تو دشمنانِ اسلام نے اس کی بنیادیں نکال ڈالنے کا ارادہ کردیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس کی اینٹوں سے اپنے رہنے کے مکانات تعمیر کرنا چاہے اسی پرخطر وقت میں ایک مردِ اسلام کو خدائے تعالیٰ نے بھیجدیا جس نے اس مسجد کی عمارت کو زمانہ کے دستبرد سے بچالیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانیکی کوشش میں کامیاب ہوا یہ رفیع المنزلت عمارت مدرسہ عربی دیوبند ہے جس کا مفصّل تذکرہ آپ میرے اور لوگوں کی رپورٹوں میں پائینگے اور وہ مردِ اسلام قدسی صفات حضرت مولانا محمدؐ قاسم صاحب قدّس سرہٗ ہیں جنھوں نے اس مدرسہ کی بُنیاد ڈالی اور جنکے اسمِ گرامی پر ہی ہم اپنی اس تحریر کو ختم کردینا چاہتے ہیں۔ شعر

زبان پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کیلئے

(شبیر احمد عثمانی معتمد جمعیۃ الانصار دیوبند)

[illegible]

ہر قسم کی عمدہ اور سستی کتب اور قرآن شریف وغیرہ

اس پتہ سے طلب کیجئے

(مولوی) سیّد احمد مدیر کتب خانہ اعزازیہ دیوبند (سہارنپور) (یوپی)